کاروانِ ایمان و عزیمت

حضرت سیّد احمد شہیدؒ کے مشہور خلفاء اور اکابرِ جماعت کا تذکرہ
اور سیّد صاحبؒ کے بعد کی کوششوں اور سلسلۂ تنظیم و جہاد کی رُوداد

از
مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی
مُصنّف: "سیرتِ سیّد احمد شہیدؒ"

ناشر
سیّد احمد شہیدؒ اکیڈمی
لاہور ○ پاکستان

اشاعتِ اوّل

رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ ـــــ مطابق جولائی ۱۹۸۰ء

کتاب : کاروانِ ایمان و عزیمت

تالیف : مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی

ناشر : سیّد نفیس الحسینی

ناظمِ اعلیٰ سیّد احمد شہیدؒ اکیڈمی لاہور

مطبع : نفیس پرنٹرز لاہور

خطاطی : محمد جمیل حسن تلمیذ حضرۃ سیّد نفیس رقم صاحب

صفحات : ۱۷۶

قیمت : مجلد، ڈائی دار -/۱۸ روپے

مجلد، قسمِ عام -/۱۲ روپے

مقامِ اشاعت : سیّد احمد شہیدؒ اکیڈمی

۴/۱۷۷ کریم پارک، راوی روڈ لاہور

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، پیشِ نظر کتاب اصلاً سیرت سیّد احمد شہیدؒ کا ایک حصّہ اور اس کا آخری باب تھا۔ اس کے پہلے اور دُوسرے ایڈیشن میں یہ کتاب میں شامل تھا لیکن جب مصنّف نے کتاب میں اتنے اضافے کر دیے کہ وہ دوچند ہوگئی تو اس کو یہ محسوس ہُوا کہ اگر یہ حصّہ اس کتاب میں شامل رہا تو اس کی ضخامت بہت زیادہ ہو جائے گی، اگر اس کو علیحدہ رسالہ یا کتاب کی شکل میں شائع کیا جائے تو وہ ایک مستقل کتاب بن سکتی ہے جس کی اپنی جگہ خود اہمیت اور افادیت ہوگی، اس خیال سے اس حصّہ کو علیحدہ کر لیا گیا، اس عرصہ میں سیرت سیّد احمد شہیدؒ کا تیسرا اور چوتھا ایڈیشن شائع ہو کر مقبولِ عام ہُوا لیکن اس حصّہ کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی، اب عرصۂ دراز کے بعد مصنّف اس حصّہ کو اپنے قابلِ احترام دوست جناب سیّد انور حُسین صاحب زیدی نفیس رقم کے حوالہ کر رہا ہے کہ وہ اس کو سیّد احمد شہیدؒ اکیڈمی لاہور کی طرف سے شائع کریں، اُمید ہے کہ اس صحیفۂ ایمان و عزیمت سے پڑھنے والے اپنے دلوں میں ایمان کی حرارت، اسلام کی حمیّت اور زندگی میں شانِ عزیمت پیدا کریں گے ؎

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصّۂ پارینہ را

ابوالحسن علی
دائرہ شاہ عَلَم اللہ رائے بریلی

۲ر شوال المکرم ۱۳۹۹ھ
۲۶ر اگست ۱۹۷۹ء

حضرت سید احمد شہیدؒ کے مشہور خلفاء و اکابرِ جماعت
اور
سید صاحبؒ کے بعد کی کوششیں اور سلسلۂ تنظیمِ جہاد

(۱)

مولانا عبدالحی صاحب بڈھانوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے داماد تھے اور شاہ صاحبؒ آپ کے پھوپھا بھی تھے، شاہ صاحب آپ کے والد کے شاگرد تھے اس لیے مولانا عبدالحی صاحب سے بہت محبت و خصوصیت رکھتے تھے، اور آپ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے بابرکت خاندان میں داخل و شامل تھے۔

علم و فضیلت میں آپ کا شمار ہندوستان کے ممتاز علماء میں تھا، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور پورا خاندان ولی اللّٰہی بلکہ پورا دہلی آپ کی فضیلتِ علمی و تبحر کا قائل تھا، شاہ صاحب تفسیر میں مولانا کو اپنے تمام تلامذہ پر فضیلت دیتے تھے اور اپنا نمونہ فرماتے تھے۔ شیخ الاسلام کا لقب جو اسلام میں خاص خاص علماء کو دیا گیا ہے، شاہ صاحبؒ نے خود مولانا کو ایک خط میں دیا ہے اور آپ کو اور شاہ اسمٰعیل صاحبؒ کو تاج المفسرین فخر المحدثین، سرآمد علمائے محققین لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ "دونوں حضرات تفسیر و حدیث، فقہ و اصول و منطق وغیرہ میں اس فقیر سے کم نہیں ہیں، جناب باری کی جو عنایت ان دونوں بزرگوں کے شاملِ حال ہے اس کا شکر مجھ سے ادا نہیں ہو سکتا۔ ان دونوں کو علماء ربانی میں شمار کرو اور جو اشکال حل نہ ہو ان کے سامنے پیش کرو"۔

شاہ اسمٰعیل صاحب شہیدؒ نے بھی آپ سے پڑھا تھا اور اہلِ علم کے نزدیک علومِ رسمیہ میں مولانا عبدالحی صاحبؒ کا پایہ سیّد صاحبؒ کی جماعت میں سب سے بلند تھا، سیّد صاحبؒ بھی آپ کا بہت احترام کرتے تھے آپ کی بیعت کا ذکر کتاب میں آچکا ہے، آپ ہی کی ترغیب سے حضرت شاہ اسمٰعیل صاحبؒ بھی سیّد صاحبؒ کی طرف رجوع ہوئے، بیعت ہوتے ہی شاہ صاحبؒ کے ساتھ آپ سیّد صاحب کے رنگ میں رنگ گئے اور اپنے سارے علم وفضل کو آپ پر تصدّق کر دیا، ادنیٰ خادم بن گئے، آپ کی جوتیاں اُٹھاتے، آپ کی رکاب تھام کر چلتے، یہ آپ کا سب سے بڑا ایثار و کارنامہ تھا، آپ کا علم، قلم اور زبان اور خدا کی دی ہوئی ہر قوت و قابلیت اسلام کی خدمت اور حق کی اشاعت و نصرت کے لیے وقف تھی۔

آپ پر شانِ صدیقیت اور شاہ صاحب پر شانِ فاروقی غالب تھی، نہایت حلیم، رقیق القلب تھے، چہرہ پر خشیتِ الٰہی و تواضع کے آثار اور عبادت و تقویٰ کے انوار ظاہر تھے، کوئی تعریف کرتا تو دل سے ناخوش ہوتے اور بُری لگتی، نصیحت کرتا تو دل سے خوش ہوتے اور سر جھکا دیتے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں نہایت چست و مستعد رہتے اور اس میں اپنے شیخ کا بھی جس سے زیادہ محترم ہستی آپ کی نظر میں کوئی نہ تھی لحاظ نہ کرتے، ایک مرتبہ شادی کے بعد سیّد صاحبؒ کو خلافِ معمول جماعت میں کچھ تاخیر ہوگئی، دوسرے دن پھر اتنی تاخیر ہوئی کہ تکبیرِ اُولیٰ فوت ہوگئی، مولانا نے سلام پھیرنے کے بعد کہا کہ عبادتِ الٰہی ہوگی یا شادی کی عشرت، سیّد صاحبؒ خاموش ہوگئے اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا، دیوبند میں ایک مرتبہ کسی وجہ سے صبح کی نماز میں سیّد صاحبؒ کی تکبیرِ اُولیٰ فوت ہوگئی، اُس دن مولانا عبدالحی صاحب نے اُسی کا وعظ فرمایا، ایک مرتبہ سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر مجھ سے کوئی بات خلافِ سُنّت دیکھئے تو متنبہ کر دیجئے گا، مولانا نے فرمایا کہ حضرت جب کوئی مخالفِ سُنّت فعل آپ سے عبدالحی دیکھے گا تو وہ آپ کے ساتھ ہوگا ہی کہاں۔

آپ کے علم سے جس قدر اسلام کو نفع اور آپ کے وعظ سے جس قدر اصلاح ہوئی کم خوش نصیب علماء کے علم و تقریر سے ہوئی ہوگی، لکھنؤ کے قیام میں برابر آپ کا وعظ ہوتا تھا جس میں ہزارہا آدمی شریک ہوتے اور ہدایت پاتے، ایک مرتبہ آپ نے "وَذَا النُّونِ إِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا الآیۃ"، پر وعظ کہا اور ایسا وعظ

کہا کہ سامعین پر سکتہ طاری ہو گیا، ہر ایک کے منہ سے واہ واہ سبحان اللہ کی صدا نکلتی تھی، سارا مجمع اور علماء فریقین آپ کی قوتِ بیانی و نکتہ دانی کے قائل ہو گئے، علماء نے کہا حق تو یہ ہے کہ ہماری ساری عمر جہل و نادانی میں گزری اور اس وادیٔ معرفت کا آج تک پتہ نہ چلا، تین جمعے آئے اسی آیت کا وعظ رہا۔ ایک دوسرا وعظ آپ کا ان قوموں کے حالات و صفات و اخلاق پر ہوا جن پر عذابِ الٰہی نازل ہوا تھا، آپ نے تفصیل سے اُن کے اعمال و اخلاق، وضع و معاشرت، رسم و رواج، صورت و سیرت بتائی اور موجودہ مسلمانوں و اہلِ شہر کے حالات و اخلاق سے مطابق کیا، ان خطبات و مواعظ کا نہایت نفع ہوا اور ہزاروں کو ہدایت ہوئی۔

لکھنؤ کے ایک محدث اور مشہور عالم نے ایک مرتبہ کہا کہ میں بھی قرآن و حدیث کا وعظ کہتا ہوں اور یہ دونوں عالم (مولانا و شاہ صاحب) بھی قرآن و حدیث کا وعظ کہتے ہیں مگر میرے وعظ میں دس پانچ آدمیوں سے زیادہ جمع نہیں ہوتے اور ان کے وعظ میں سارا شہر ٹوٹا پڑتا ہے، مسجدوں میں سامعین کو بیٹھنے کی جگہ نہیں ملتی مولانا عبدالحی صاحب نے اس محدثِ خشک کی زبان سے یہ بات سُن کر فرمایا کہ پہلے ہمارا بھی یہی حال تھا، یہ سید صاحبؒ کی برکت ہے۔

حج میں آپ مع اہلِ خانہ سید صاحبؒ کے ساتھ تھے اور آپ نے اپنی زوجہ محترمہ سے فرمایا تھا کہ اس سفر میں تم کو چکی بھی پیسنی پڑے گی، روٹی بھی پکانی پڑے گی، پیدل بھی چلنا ہوگا، جو ضروری کام ہیں سب کرنے ہوں گے۔ راستہ میں آپ کے وعظ سے ایک بازاری عورت تائب ہوئی اور شریک قافلہ ہوئی، سید صاحبؒ نے فرمایا کہ اس کو عورتوں میں بٹھا دو، عورتیں کسی طرح اس پر راضی نہیں ہوتی تھیں، آخر مولانا عبدالحی صاحبؒ نے آکر فرمایا کہ تم اس نیکبخت کو اپنی ناؤ پر کیوں نہیں بٹھاتیں، آج اس نے بُرے کاموں سے توبہ کی ہے اس وقت یہ تم سب سے افضل ہے اور جو کچھ خدا و رسولؐ کا شرعی حکم تم پر ہے وہی اس پر ہے، عورتوں نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو اس کو پردہ کرا کر چھت پر الگ بٹھا دو، مولانا نے کہا کہ کیا چھت پر تم میں سے کوئی نہیں بیٹھ سکتی، وہی کیوں جا کر چھت پر بیٹھے، آخر آپ نے اپنی بیوی کو حکم دیا کہ چادر اوڑھ کر اُتر آئیں، وہ اُتر آئیں تو آپ نے اُن کو گھر کا اقرار یاد دلایا، سید صاحبؒ نے یہ دیکھا تو مولانا کو آواز دی کہ یہاں تشریف لایئے۔ آپ نے فرمایا کہ حاضر

ہوتا ہوں اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ دیکھو عبدالحی کی بی بی کھڑی ہے اور خدا اور رسول کے حکم کے مطابق شرعی پردہ اس کو کہتے ہیں، یہ تین بار فرمایا تاکہ وہ غرور ٹوٹ جائے، سفر میں اکثر لوگ اور بالخصوص عورتیں نماز کم پڑھتی ہیں اور بہلی گاڑی وغیرہ میں دشوار بھی ہے، ایک مقام پر آپ نے پردہ کا انتظام کر کے اپنی بیوی کو اتارا اور اُن سے نماز پڑھوائی اور ساتھیوں سے فرمایا کہ صاحبو! دیکھ لو عبدالحی کی بیوی نماز پڑھ رہی ہے اس پر اور لوگوں نے بھی اپنی اپنی بیویوں سے نماز پڑھوائی۔

آپ نے سفرِ حج میں یمن کے مشہور محدث محمد بن علی الشوکانی (صاحب نیل الأوطار) سے خط و کتابت کی اور امام موصوف نے اپنی تصنیفات بھیجیں۔

حجاز میں اہلِ عرب کے نفع کے لیے آپ نے "صراطِ مستقیم" (فارسی) عربی میں ترجمہ کیا[1]۔

حضرت سید صاحبؒ نے مولانا عبدالحی صاحبؒ، حاجی احمد صاحبؒ، مولانا عبدالقدوس صاحبؒ جونپوری کو ٹونک میں ہدایت و ارشاد اور بعض ضرورتوں کی تکمیل کے لیے چھوڑ دیا تھا وہ محض تعمیلِ ارشاد میں ٹھہرے رہے۔ اُن کا جسم ٹونک میں تھا لیکن دل حضرت کے ساتھ تھا۔ پانچ مہینہ کے بعد حضرت نے طلب فرمایا تو یہ حضرات اس طرح بیتابانہ گئے جس طرح مرغِ اسیر قفس سے نکل کر اپنے آشیانہ کی طرف جاتا ہے راستہ میں ان حضرات پر عجب کیف و سرور طاری تھا، راستہ میں حضرت کا نامۂ گرامی ہاتھ میں لیے ہوئے پڑھتے ہوئے بڑے جذب و شوق سے پیدل چلے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے، جو راستہ میں ملتا اُس سے کہتے کہ ہم کو سید صاحبؒ نے بلایا ہے۔ جسم کی ناتوانی، پیری اور نقاہت کے باوجود منزلوں پر منزلیں قطع کرتے ہوئے جا رہے تھے جب حضرت سے ملاقات ہوئی تو راستہ کی ساری کلفت جاتی رہی، اپنے احباب کو جو آپ نے خط لکھا ہے نواب وزیر الدولہ مرحوم فرماتے ہیں کہ میں نے وہ خط دیکھا ہے اس میں لکھا تھا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مومن کو جب جنت کی نہر میں غوطہ دیا جائے گا تو اس کا سارا تکان جاتا رہے گا اور قیامت کے

---

[1] اس ترجمہ کا حجازی نسخہ صاحبزادہ عبدالرحیم خانصاحب مرحوم کے کتب خانہ ٹونک میں موجود تھا اور میری نظر سے گزرا ہے۔

مصائب کافور ہو جائیں گے اور وہ بالکل ترو تازہ ہو جائے گا، یہی کیفیت ہم خستہ جانوں کی تھی کہ حضرت کی مجلس میں پہنچتے ہی سفر کا تکان اور راستہ کی تکلیف خواب و خیال ہو گئی ۔

سید صاحبؒ کو آپ کی آمد کا ایسا انتظار تھا جیسے عید کے چاند کا ہوتا ہے اور آپ کی آمد کی خبر سُن کر نہایت مسرور تھے، دریا تک آپ کو لانے کے لیے پالکی بھیجی اور خاص اپنے ساتھ اپنے خیمہ میں اُتارا اور اپنا مہمان رکھا، اُس وقت مجاہدین پر بڑی تنگی تھی، کبھی کبھی پتے کھانے کی نوبت آتی تھی، آپ اپنے ساتھ ہندوستان سے روپیہ بھی لائے تھے جس سے مجاہدین کو فراغت ہو گئی ۔

سید صاحبؒ نے آپ کو لشکر کا قاضی مقرر فرمایا، مقدمات کا فیصل کرنا اور عاملوں کا مقرر کرنا آپ کے متعلق تھا ۔

آپ کی وفات مقام کھہر میں ہوئی، انتقال کے وقت سید صاحبؒ سے فرمایا کہ حضرت شہادت تو میری قسمت میں نہ ہوئی اب اتنی تمنا ہے کہ آپ اپنا قدم مبارک میرے سینہ پر رکھ دیجئے کہ اسی حالت میں میری جان نکل جائے، سید صاحبؒ نے فرمایا کہ میرا پاؤں اس قابل کہاں ہے کہ اس سینہ پر رکھوں جو قرآن و حدیث کے علم کا خزینہ ہے، آپ نے تسلی کے لیے اپنا ہاتھ آپ کے سینہ پر رکھ دیا اور اسی حالت میں آپ کا انتقال ہو گیا ۔

آپ کی زبان سے آخری کلمہ اللھم الرفیق الاعلیٰ نکلا اور رُوح پرواز کر گئی وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اُس کے رسُول کی طرف ہجرت کے لیے نکلے پھر اس کو موت پالے تو اس کا اجر مقرر ہو چکا اللہ کے یہاں)

○

مولانا محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ

آپ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے خاندان کے شجرۂ طوبیٰ کی ایک شاخ ہیں، شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے نامور پوتے، شاہ عبدالغنی صاحبؒ کے ذریعۂ نجات و مغفرت فرزند شاہ عبدالعزیز صاحبؒ و شاہ عبدالقادر صاحبؒ و شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے محبوب و عزیز بھتیجے اور مایۂ ناز شاگرد تھے۔

مولانا اسمٰعیل اسلام کے اُن اولوالعزم، عالی ہمت، ذکی، جری اور غیر معمولی افراد میں ہیں جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

آپ نے عُلماء کے سب سے بڑے مجمع اور سب سے بڑے علمی اور سب سے بہتر دینی ماحول میں آنکھ کھولی، بچپن میں کانوں میں قال اللہ و قال الرسول کی آواز پڑی، جو علمی باتیں اور جو مذہبی مسائل حلال و حرام و ضروریاتِ دینی لوگوں کو کتابوں اور مطالعہ سے آتی ہیں وہ آپ کو باتوں باتوں اور قصے کہانیوں میں معلوم ہو گئیں، تربیت کے لحاظ سے یہ تربیت نہایت مکمل تھی جو کم خوش نصیبوں کو ہوتی ہے لیکن آپ اس تربیت کے محدود دائرہ سے بہت آگے تھے اور بہت جلد شاہ صاحبؒ کے خاندان میں بھی آپ بہت ممتاز ہو گئے۔

تعلیم میں بھی آپ کی خوش نصیبی تربیت سے کم نہ تھی، ہندوستان کے فاضل ترین اساتذہ جن کے پاس سمرقند و بخارا، ایران و افغانستان کے طلبا، شدِّ رحال کر کے آتے تھے اور ایک سبق پڑھ لینا حاصلِ سفر سمجھتے تھے، آپ کے گھر ہی کے تھے اور کون ؟ باپ یا باپ سے بڑھ کر شفیق چچا، اس وقت کی اعلیٰ تعلیم جو کسی کو میسّر آسکتی تھی آپ نے حاصل کی اور اس میں کوئی کمی نہیں رہی۔

آپ مجتہدانہ دماغ کے آدمی تھے اور اس میں ذرا مبالغہ نہیں کہ بہت سی درسی کتابوں کے مصنفین و شراح سے زیادہ ذکاوت اور علمی مناسبت رکھتے تھے، اگر آپ کو اشتغال اور تصنیف و تالیف و درس و تدریس کا موقع ملتا تو آپ اپنے بہت سے پیشرو اور معاصر علما سے بہت آگے ہوتے اور بہت سے فنون میں امام یا مجدد کا منصب آپ کو دیا جاتا، جس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ انبیا کو انھیں علوم یا صنائع میں خارق عادت کمال دیتا ہے جو ان کے زمانہ میں رائج و شائع ہوتے ہیں تاکہ حجت اور معجزہ ہوسکے، اسی طرح حکیم مطلق نے خود اس کا سامان کیا کہ شاہ صاحبؒ کو جن سے اس کو علما کی اصلاح اور حق کی نصرت کا کام لینا تھا، ان تمام علوم و فنون میں غیر معمولی کمال حاصل ہو جو اس وقت عام طور پر رائج و جاری تھے اور جن پر علما فخر کرتے تھے اور جن کے بغیر وہ کسی کو عالم اور قابلِ التفات نہیں سمجھتے تھے۔

شاہ صاحبؒ کے طریقۂ تعلیم اور اُن کی ذکاوت کے جو واقعات مشہور ہیں اور بزرگوں سے منقول چلے آرہے ہیں اُن کی تصدیق وہ حضرات مشکل سے کر سکیں گے جن کا اعتقاد ہے کہ علم و فہم نبوت کی طرح کتب معقولات کے مصنفین اور اُن کے شراح پر ختم ہو گیا تھا اور اب صرف اُن کی بات سمجھ لینا اور سمجھا دینا ہماری عقل و اجتہاد کی آخری حد ہے جس کے آگے الحاد کی سرحد شروع ہوتی ہے، مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندیؒ کی روایت ہے (جو غالباً انھوں نے اپنے اساتذہ و اکابر سے سُنی ہوگی) کہ شاہ سمٰعیل صاحبؒ، شاہ عبدالقادر صاحب سے اُلافُق المبین پڑھتے تھے (اہلِ علم جانتے ہیں کہ یہ کس درجہ کی کتاب ہے) اور اس طور پر پڑھتے تھے کہ دو دو چار چار ورق پڑھتے، کہیں شاہ سمٰعیل صاحبؒ کچھ پوچھ لیتے، کہیں شاہ عبدالقادر صاحبؒ کچھ بتا دیتے ورنہ یوں ہی پڑھتے جاتے تھے، اس زمانہ میں مولوی فضل امام صاحب خیرآبادی صدر امین ہو کر دہلی

آئے ہُوئے تھے، اتفاق سے ایک دن وہ بھی بیٹھے ہوئے تھے اور سبق ہورہا تھا، وہ اس حیرت انگیز سبق کو دیکھ کر متعجب ہورہے تھے، اتفاقاً شاہ صاحبؒ اثنار سبق میں کسی ضرورت سے اُٹھے تو انھوں نے کہا، "صاحبزادے کیوں مصنف کی رُوح کو تکلیف دیتے ہو، وہ بپاسِ ادب چُپ ہو رہے لیکن شاہ صاحب آگئے اور انھوں نے سُن لیا، فرمایا کہ مولوی صاحب اس لڑکے سے کچھ پُوچھیے تو اس کا حال آپ کو معلوم ہو پہلے تو مولوی فضل امام صاحب نے گریز کیا لیکن آخر انھوں نے ایک مسئلہ افق المبین کا پوچھا، مولانا اسمٰعیل صاحبؒ نے نہایت شائستگی سے جواب دیا، پھر انھوں نے اس کو رد کیا پھر انھوں نے جواب دیا، اس ردّ و قدح کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ مولوی صاحبؒ مولانا اسمٰعیل صاحبؒ کی پیچیدہ تقریر کا غور کرکے جواب دینے لگے اُس وقت خاموش ہُوئے ۔[۱]

ایک ولایتی طالب علم خیالی پڑھنے کی غرض سے ہندوستان آیا، یہاں اُس نے پوچھا کہ کون سب سے زیادہ ذہین اور ذکی ہے، معلوم ہُوا کہ مولانا اسمٰعیل صاحبؒ ہیں، ان کے پاس آیا اور استدعا کی، پیشتر انھوں نے فرصت نہ ہونے کا حیلہ کیا، آخر الامر جب اس نے زیادہ مجبور کیا تو فرمایا اچھا فرصت کے وقت، اس نے بغل سے نکال کر ایک کتاب دی انھوں نے پُوچھا یہ کیا ہے ؟ اُس نے کہا خیالی کا عبدالحکیم ہے، آپ نے کہا کہ یہ کیوں یہاں چھوڑے جاتے ہو ؟ اُس نے کہا، بے عبدالحکیم کے خیالی حل نہیں ہوتی، اس پر مولانا نے فرمایا کہ عبدالحکیم بیچارہ کیا ہے جو میرے خیالوں میں باتیں آتی ہیں وہ عبدالحکیم کے خیالوں سے بدرجہا بہتر ہیں اُس نے کتاب تو اُٹھالی لیکن بہت ہی بد دل ہُوا کہ جب اُن کی یہ کیفیت ہے کہ عبدالحکیم کو کچھ نہیں سمجھتے تو خیالی خاک سمجھتے ہوں گے لیکن چونکہ صرف خیالی ہی کی غرض سے اس نے اتنی مسافت طے کی تھی، ٹھہر گیا اور وقتِ مقررہ پر آیا جب سبق شروع ہُوا تو اس کو معلوم ہُوا کہ واقعی ان کی نازک خیالیوں کے سامنے عبدالحکیم کوئی چیز نہیں ہے ۔[۲]

---

[۱] ارمغانِ احباب [۲] ارمغانِ احباب

ہمارے یہاں ہندوستان میں مدت سے معقول بھی منقول بنا ہوا ہے جس میں سوائے نقل و شرح کے نہ کسی نقطہ کا اضافہ ہو سکتا ہے نہ ترمیم، نہ کسی نظریہ پر نظر ثانی ہو سکتی ہے نہ اجتہاد، سر سید احمد خاں مرحوم نے "آثار الصنادید" میں شاہ صاحب کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ منطق میں آپ کا ایک رسالہ ہے جس میں آپ نے بدلائل و براہین ثابت کیا ہے کہ شکل رابع اجلی البدیہیات میں سے ہے اور شکل اوّل اسکے برعکس اور آپ کے معاصرین میں سے کوئی اس کا رد نہ کر سکا، سر سید لکھتے ہیں کہ :

"اس کے دلائل اس قوت و استحکام کے ساتھ مذکور فرمائے کہ اگر معلّم اوّل موجود ہوتا تو اپنے دلائل کو تارِ عنکبوت سے سست تر سمجھتا۔"[1]

مولوی فضل حق صاحب خیر آبادی مرحوم آپ کے معاصر تھے، اُن سے اور شاہ صاحبؒ سے بہت علمی مباحثے اور دینی مناظرے ہوئے جن سے شاہ صاحبؒ کی دماغی قابلیتیں اور علمی تفوق اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے۔

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ :

"مولانا رشید الدین صاحب (جو شاہ عبد العزیز صاحبؒ کے شاگرد تھے اور بوجہ اپنی ذکاوت و استعداد کامل کے رشید المتکلمین کے نام سے یاد کیے جاتے تھے)۔ ایک دفعہ درس دیتے ہوئے طلبا سے فرمانے لگے کہ مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کو دینیات کے ساتھ شغف ہے باقی معقولات کی طرف کچھ توجہ نہیں ہے، مطلب یہ تھا کہ مولانا کو معقولات میں کچھ زیادہ دستگاہ نہیں۔ اتفاقاً مولانا شہیدؒ کو ایک دن بخار آ گیا اور مولانا رشید الدین خاں صاحب عیادت کو تشریف لے گئے، مولانا شہیدؒ فرمانے لگے کہ مولانا آج بخار میں جو دماغ پریشان تھا، اسی

---

[1] آثار الصنادید

پریشانی و انتشار کی حالت میں فلاسفہ کے فلاں فلاں مسئلہ کی طرف ذہن منتقل ہوگیا
اور ان مسائل پر میرے دل میں یہ اعتراضات پیدا ہوئے، مولانا رشید الدین خاں
صاحب بالکل ساکت رہے واپس ہونے پر ان کے تلامذہ نے کہا کہ آپ تو فرماتے تھے
کہ مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کو معقولات کی طرف کچھ توجہ نہیں، فرمایا بیشک میں
نے یہ کہا تھا مگر اب میری رائے یہ ہے کہ اگر ارسطو اور افلاطون بھی قبر سے نکل کر آ
جائیں تو مولانا کے بیان کردہ اعتراضات کا کوئی جواب نہیں دے سکتے"۔ [1]

یہ تو حال آپ کا معقول میں تھا جس کو آپ نے ہتھیار کے طور پر حاصل کیا تھا، رہا منقول، تو آپ کے گھر کی میراث تھی لیکن آپ نے صرف اس میراث ہی پر قناعت نہیں کی بلکہ اپنے کسب سے اس میں اضافہ کیا اور ساری دُنیا نے اس میں آپ کی امامت کی شہادت دی۔

تقریروں کے سُننے کا تو اب موقع نہیں جن کی اس وقت بڑی دھوم تھی، لیکن دینی مسائل پر آپ کی تحریریں یادگار ہیں "منصب امامت" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث کے صحیفے اور کتب خانے آپ کی آنکھوں کے سامنے کُھلے ہیں، جہاں سے چاہتے ہیں نقل کرتے ہیں، حالانکہ ان میں سے اکثر کتابیں سفر اور ایسی حالت میں لکھی ہیں کہ آپ کے پاس مشکل سے کوئی کتاب رہی ہوگی، استدلال ایسا صحیح ہوتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت یا حدیث اسی موقع کے لیے تھی، پھر استنباط استخراج اور نکتہ آفرینی تو آپ کا حق ہے۔

پنجتار میں علماء کے اجتماع کے موقع پر جس میں دو ہزار علماء اور دو ہزار کے قریب طلباء شریک تھے آپ نے امام کی مخالفت کا حکم بتایا اور فرمایا کہ فلاں فلاں کتابوں کے فلاں فلاں باب فلاں فلاں فصل میں دیکھئے، کتابیں علماء کے پاس تھیں اُنھوں نے دیکھیں تو کچھ فرق نہ پایا۔

لکھنؤ میں مولوی دلدار علی صاحب مجتہد نے آپ کے اس سوال کا جواب کہ تقیہ اور نفاق میں کیا

---

[1] روایات الطیب

فرق ہے ؟ بڑی عرق ریزی، مشورہ اور کتابوں کے حوالہ سے بہت طویل لکھ کر بھیجا، مولانا عبدالحی صاحبؒ نے دیکھ کر فرمایا کہ اس کے جواب کے لیے بہت بڑے کتب خانہ کی ضرورت ہے جو سفر میں میسّر نہیں، مولانا اسمٰعیل صاحبؒ نے قلم برداشتہ اس کا جواب لکھ دیا۔

آپ کی تصانیف اور علم میں وہ سب خصوصیتیں موجود ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا حصہ ہیں اور جو ہندوستان کے علماء و مصنفین میں نایاب ہیں اور جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کے یہاں ملتی ہیں یعنی شانِ اجتہاد، علم کی تازگی، استدلال کی لطافت، نکتہ آفرینی، سلامت ذوق، قرآن و حدیث کا خاص تفقہ اور استحضار، زورِ کلام۔ [1]

یہ تو علم کا حال تھا لیکن ایک چیز علم ہے اور دوسری چیز علم سے انتفاع، اس دوسری چیز میں شاہ صاحب خاص طور سے ممتاز تھے، آپ کا گھر قرآن و حدیث کا سب سے بڑا مدرسہ تھا، شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کے وقت سے یقیناً قرآن و حدیث ان لوگوں کا وظیفہ تھا، سنّت و شریعت کی نہریں ہندوستان سے اور ہندوستان سے باہر یہیں سے جاری ہوئیں لیکن اس کے باوجود آپ کے وقت تک حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ و شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی موجودگی میں اس خاندان میں بہت سی بدعات و رسوم رسماً جاری تھیں بیوہ کا نکاح ثانی اسی طرح غیر مروج تھا جس طرح دوسرے خاندانوں میں، بی بی کی صحنک ہوتی تھی۔ گیارہویں کا کھانا آتا تھا، شاہ صاحبؒ نے قولاً و عملاً اس کی مخالفت کی اور یہ چیزیں موقوف ہوئیں۔

بی بی کی صحنک کے خاص آداب و احکام ہیں مثلاً کھانے والی کوئی ایسی عورت نہ ہو جس نے دوبارہ شادی کی ہو۔ کوئی بیوہ یا کنواری نہ کھائے اس کو کوئی مرد نہ دیکھے وغیرہ وغیرہ۔

---

[1] مولوی سید جعفر علی منظورہ میں لکھتے ہیں کہ مولانا فرماتے تھے کہ مجھے تعبیر میں دخل نہیں جیسے لوگ اپنی عقل اور قرائن سے تعبیر دیتے ہیں اسی طرح میں بھی تعبیر دے دیتا ہوں البتہ اللہ تعالیٰ نے قرآن و حدیث کے معانی کا علم مجھے عطا کیا ہے، بظاہر میں نے یہ علم استاد سے حاصل کیا ہے لیکن اصل علم القائی ہے۔

ایک مرتبہ شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے یہاں بی بی کی صحنک ہو رہی تھی، مولانا نے منع فرمایا، شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے فرمایا کہ اسمٰعیل یہ تو ایصالِ ثواب ہے، اس میں کیا حرج ہے، مولانا نے فرمایا کہ حضرت پھر اس کے کیا معنی ہیں وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ (الانعام) (اور انھوں نے کہا (کفارِ عرب نے) یہ جانور اور کھیتی ممنوع ہے ان کو صرف وہ کھائیں گے جن کو ہم چاہیں گے اپنے خیال سے[1]) ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ واقعی درست ہے ہمارا ذہن اس طرف نہیں گیا تھا اور گھر میں عورتوں کو منع کر دیا کہ خبردار اس کو ہرگز نہ کرنا۔

دوسری اور بہت ممتاز خصوصیت آپ کی یہ ہے کہ علماء کا ایک دائرہ تھا جس سے وہ باہر نہیں جاتے تھے، اس دائرہ کے حدود درس و تدریس تصنیف و تالیف اور جمعہ وغیرہ کا وعظ تھے۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر اور اشاعتِ حق کا جتنا کام اس دائرہ کے اندر رہ کر ہو سکتا تھا وہ کیا جاتا تھا لیکن یہ بھی ان بزرگوں کا ذکر ہے جو قرآن و حدیث کا درس دیتے تھے یا ان میں تصنیف کرتے تھے یا وعظ و تقریر کرتے تھے، علماء کا ایک بہت بڑا گروہ ایسا بھی تھا جن کے یہاں معروف و منکر کی کوئی تقسیم نہ تھی، ہدایت و ضلالت بے معنی الفاظ تھے، سُنّت و بدعت کے الفاظ اُن کے لُغت میں نہیں تھے، یہ ساری عمر معقولات کی کتابیں پڑھاتے، اگر کچھ لکھتے تو وہ کسی متن کی شرح یا کسی شرح کا حاشیہ ہوتا، کچھ کہتے تو وہ کسی مسئلہ کی تقریر یا کسی تقریر کا رد یا مخالف سے مناظرہ ہوتا، عام اصلاح و ارشاد کا کام دونوں کے دائرہ سے خارج تھا میدان خالی پا کر دجّالوں، شیطانوں، جاہلوں اور شکم پروروں نے اپنے جال بچھا دیے تھے اور اللہ کی مخلوق کا زیادہ حصّہ ان میں پھنسا ہُوا تھا۔

شاہ صاحبؒ نے اس دائرہ سے باہر قدم نکالا اور وہاں پہنچے جہاں آج تک روشنی نہیں پہنچی

---

[1] مفسرین لکھتے ہیں کہ ان چیزوں کے بھی خاص خاص آداب و احکام تھے سب نہیں کھا سکتے تھے۔ اسی طرح سے ایک دوسری آیت ہے وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ

تھی وہاں بھی گئے جہاں متقدس و پاکباز جاتے شرماتے ہیں، جہاں سے علماء و صلحاء کتراتے ہیں۔ ہر اس جگہ گئے جہاں ان کی ضرورت تھی، جہاں حق کی آواز نہیں پہنچی تھی اور جہاں "جاہلیت" کی رات تھی، اسلام کا سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا، انھوں نے اپنا خیال نہیں کیا، ضرورتمندوں کا خیال کیا، وہ یہ بھول گئے کہ وہ اس شاہ ولی اللہ کے پوتے ہیں جن کا نام لینا معصیت و غفلت کے اُن سیاہ خانوں میں گناہ ہے، اُس عبدالعزیز کے بھتیجے ہیں جو اپنے علم و فضل سے بادشاہت کر رہا ہے۔ ان کو صرف یہ یاد رہا کہ وہ ایک عالم ہیں جن پر تبلیغ و امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرض ہے اگر انھوں نے اس میں کوتاہی کی تو سارا دہلی قیامت میں اُن کا دامن پکڑے گا، قرآن و حدیث کی وعیدوں کا اُن سے زیادہ جاننے والا کون تھا، ایسے اصحاب عزیمت یہ بھول جاتے ہیں کہ دنیا میں اور لوگ بھی ہیں اور یہ فرض اُن کا بھی ہے، شاہ صاحبؒ شہر میں کوئی شرک و بدعت، کوئی فسق و فجور اور کسی قسم کی معصیت منکر دیکھتے تو ان سے زیادہ اپنے کو گناہگار سمجھتے اور میدان حشر کا نقشہ اُن کے سامنے پھر جاتا کہ جب یہ خدا کے سامنے علماء کا دامن پکڑیں گے کہ ان بیناؤں نے ہم نابیناؤں کا ہاتھ نہیں پکڑا، ابھی تک اطباء اُمت منتظر رہتے تھے کہ مریض اُن کے پاس آئیں لیکن شاہ صاحبؒ نے خود مریضوں کے یہاں حاضری دینی شروع کی، اس لیے کہ یہ اس وقت تھا کہ مریضوں کو اپنے مرض کی طبیبوں سے زیادہ فکر ہو لیکن یہاں معاملہ برعکس تھا۔

شاہ صاحبؒ نے دہلی میں وعظ کہنا شروع کیا، جامع شاہجہانی سے لے کر فسق و فجور کے مرکزوں تک خدا کا پیغام پہنچایا، شریعت کے احکام سنائے، اپنی مخصوص و شہرۂ آفاق جرأت و شجاعت سے شرک و بدعت کا رد کیا، توحید و سنّت کی منادی کی۔

چند ہی دنوں میں لال قلعہ سے لے کر جھونپڑوں تک زبانوں پر آپ کا نام تھا، گھر گھر آپ کے مواعظ اور "نئے عقائد" کا چرچا تھا، کہیں بھلائی سے کہیں بُرائی سے، لیکن بُرائی سے زیادہ۔ اکثر لوگوں کو یہ باتیں نئی معلوم ہوئیں، عورتیں اور دلّی کے بڑے بوڑھے کہتے تھے کہ یہ اسمٰعیل کون سا نیا عالم پیدا ہوا ہے جو روز نئی نئی باتیں کہتا ہے جو آج تک دہلی کے عالموں اور ہمارے بزرگوں نے نہیں کہیں، چند ہی دنوں میں دہلی ایسے شہر میں جہاں آپ کے خاندان کا سکہ چل رہا تھا، آپ کے سیکڑوں مخالف پیدا ہو گئے، ہر وقت آپ کی جان کا خطرہ تھا

دُنیا دار و پیشہ ور علماء و مشائخ نے اہلِ کتاب کے احبار و رُہبان کی عادت کے مطابق جیسا کہ قرآن میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ

اے ایمان والو بہت سے علماء اور مشائخ لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں۔

سارے شہر میں آپ کے خلاف آگ لگا دی اور وہ سارے ہتھیار آپ کے خلاف استعمال کیے جو اہلِ ہوا علماءِ سُوء اہلِ حق کے خلاف استعمال کرتے ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر عوام آپ کے نام سے بیزار ہو گئے دلی کے اوباش آپ کی جان کے دشمن ہو گئے، سر بازار آپ کو گالیاں دی جاتیں اور سارے شہر میں آپ سے بُرا کوئی نہ تھا، عبداللہ بن سلام کی طرح لوگ آپ کے باب میں بھی بھول گئے کہ آپ کس کے پوتے اور کس کے بھتیجے اور خود کیا ہیں[1]

آپ سے لوگ اس کی شکایت کرتے تو آپ فرماتے کہ بھائی ان کا قصور نہیں ہے، یہ ہمارے علماء کا قصور ہے کہ کیوں اُنھوں نے پہلے ہی سے واشگاف بیان نہیں کیا جس کے سُننے سے اب اُن کو وحشت ہوتی ہے۔

صاحبِ ذکرِ جلی ایک قصہ مولوی محمد علی صاحبؒ رامپوری کی زبانی تحریر کرتے ہیں کہ ایک روز مولوی سمٰعیل صاحبؒ، مولوی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے مدرسہ کے دروازہ پر کھڑے تھے، آپ نے دیکھا کہ بہت سی

---

[1] حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یہود بُرے مکر نے والے لوگ اور بہتان طراز قوم ہے آپ پہلے اُن سے میرے متعلق دریافت کیجیے پھر میں ان سے اپنے اسلام کا اظہار کروں گا۔ آپؐ نے پوچھا کہ عبداللہؓ تم میں کیسے آدمی ہیں؟ کہا کیا کہنا، ہم سب سے بہتر عالم ابن عالم سید ابن سید، یہودی یہ کہہ ہی رہے تھے کہ حضرت عبداللہ کلمۂ طیب پڑھتے ہوئے سامنے آگئے، یہودی فوراً کہنے لگے کہ یہ خود جاہل اس کا باپ جاہل، یہ خود ذلیل اس کا باپ ذلیل، ہم میں سب سے بدتر شخص ہے (بخاری عن انس باب ہجرۃ النبیؐ)

جوان اور خوبصورت عورتیں رتھوں اور بہلیوں میں سوار ہو کر بلا پردہ کہیں کو جارہی ہیں، مولوی صاحب نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون عورتیں ہیں، ایک شخص نے کہا کہ یہ سب کسبیاں فلانی کسبی بڑی کسبی کے گھر کچھ تقریب ہے وہاں جارہی ہیں، مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ کیا یہ مسلمان ہیں، اس شخص نے کہا ہاں مسلمان ہیں، تب مولانا نے فرمایا، تب ہماری بہنیں ہیں کیا خداوند تعالیٰ ہم سے نہیں پوچھے گا کہ اس قدر مسلمان عورتیں بدکاری وزناکاری میں گرفتار تھیں اور تم نے انھیں نصیحت نہیں کی، اس واسطے اب تو میں اُن کے مکان پر جاکر اُن کو نصیحت کروں گا، آپ کے رفیقوں نے کہا کہ آپ کے وہاں تشریف لے جانے سے مخالفین بدنام کر دیں گے کہ کنچڑواڑے میں آپ بھی جانے لگے، آپ نے فرمایا کہ اسمٰعیل کو اس بات کی پروا نہیں، جب اللہ و رسول کا حکم سنانے لگا تو ہر ایک کو سنادے گا، اس واسطے سب کلمہ گو مومنین کا حق برابر ہے، آپ نے اوّل اپنے دل سے کہا کہ اے دل اگر تیرے بدن کی بوٹیاں کاٹ کر چیلوں کو کھلائیں یا تیرے جسم کو ہاتھی کے پاؤں سے باندھ کر کھنچوائیں تو کیا اس وقت بھی اللہ کی بات بولتا رہے گا، دل نے کہا، ہاں، جب تک میرے اندر سانس ہے خدا کی بات کہنے سے کبھی عذاب اور عقوبت سے باز نہ آؤں گا۔

جب شام ہوئی مولانا صاحبؒ درویشوں کا سا بھیس بدل کر اس کسبی کے مکان پر پہنچے، جہاں سب کسبیاں جمع ہو کر کچھ گا بجا رہی تھیں، آپ نے وہاں جاکر دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا آؤ اللہ والیو! آؤ اللہ والیو! اس وقت ان چھوکریوں نے دروازہ پر آکر پوچھا کون ہو، آپ نے جواب دیا کہ فقیر ہے، کچھ صدا سنائے گا، اور تماشہ دکھائے گا وہ سمجھیں کہ کوئی تماشا گر فقیر ہے دروازہ کھول کر اندر بلالیا، آپ نے اندر جاکر بہت نرمی سے پوچھا کہ بڑی بی صاحبہ کہاں ہیں؟ انھوں نے کہا کہ اُوپر بالاخانہ میں مع اپنے مہمانوں کے جشن کر رہی ہیں، مولانا صاحبؒ اوپر تشریف لے گئے اور دیکھا کہ بڑی بی صاحبہ بڑے تزک اور شان سے مع اپنے مہمانوں کے کرسیوں پر بیٹھی ہیں، چاروں طرف شمعدان روشن ہیں، چونکہ مولانا صاحبؒ ایک نامی گرامی اور مشہور شخص ایک بڑے گھرانے کے صاحبزادے تھے، باوجود بھیس بدلنے کے بھی وہ آپ کو پہچان گئیں اور اپنی اپنی کرسیوں پر سے اٹھ کر مؤدب کھڑی ہو گئیں اور پوچھا کہ حضرت آپ نے کیوں تکلیف فرمائی، آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں میں

کچھ صدا اُسنا نے آیا ہوں، تم سب جمع ہو کر اپنی اپنی جگہ میں آرام سے بیٹھ جاؤ، چونکہ اُن کی ہدایت کا وقت آ گیا تھا، سب ایک جگہ جمع ہو کر بیٹھ گئیں، مولوی صاحبؒ نے حمائل کھول کر ایسی خوش الحانی سے قرآن پڑھا کہ سب کوشن کر لوٹ پوٹ ہو گئیں، پھر آپ نے ان آیتوں کے معانی بیان کر کے ہر ایک چیز دنیاوی کی بے ثباتی کا اس طرح ذکر کیا کہ یہاں نہ حُسن و جوانی کو قیام ہے نہ مال و زندگانی کو، یہاں کی ہر چیز فانی اور زوال پذیر ہے۔ یہ بیان ایسی شرح و بسط اور فصاحت و بلاغت سے ہُوا کہ ہر ایک نے رونا شروع کیا، اس کے بعد مولانا نے موت اور جاں کندنی کی سختی اور اس وقت کی بیکسی اور وحشت اور اس عالم کی مفارقت کا افسوس ایسے پُر درد طور سے بیان کیا کہ ساری عورتیں ہوش باختہ ہو گئیں پھر اس کے بعد قبر کی تنہائی اور منکر و نکیر کا سوال اور وہاں کے عذاب کا بیان اس زور سے کیا کہ قیامت کے دن بدکاروں کے گروہ گرفتار کر کے حاضر کیے جائیں گے اور جو کوئی اس فعل بدکاری کا سبب اور وسیلہ یا مُوجد و معاون ہُوا ہے وہی اُس دن اس گروہ کا پیشرو ہوگا جب بروز قیامت تم فرداً فرداً بجُرمِ بدکاری گرفتار کر کے حاضر کی جاؤ گی تو ہر زانیہ کے ساتھ سیکڑوں اور ہزاروں زانی اور بدکار بھی بُلائے جائیں گے جن کی زناکاری اور بدکاری کا تم باعث اور وسیلہ ہُوئیں اور تمھارے ہی ناز و ادا نے اُنھیں اس آفت میں پھنسایا تو خیال کرو کہ اسی حالت سے جب سیکڑوں اور ہزاروں زانی و بدکار تمھارے پیچھے ہوں گے اللہ رب العزت کے سامنے تمھارا کیا حال ہوگا۔ یہ بیان بھی ایسا گرم ہُوا کہ کسبیوں کی ہچکیاں بندھ گئیں، تب آپ نے آبِ توبہ سے ان خستہ حالوں کے دلوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے توبہ کی فضیلت بیان کرنی شروع کی اور کہا کہ توبہ سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اس بیان وعدۂ عفو اور شرح غفاری اس غفور رحیم سے ان بیدلوں کو کچھ ہوش آیا، معاً اس کے بعد آپ نے نکاح کی فضیلت بیان کرنی شروع کی اور آخر میں فرمایا کہ جس کا دل جس سے چاہے نکاح کر لے اور اپنے افعالِ ماضیہ سے تائب ہو جائے، اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے گویا اس نے گناہ ہی نہیں کیا، جب یہ وعظ ہو رہا تھا، اس کی شہرت تمام شہر میں ہو کر ہزاروں خلقت اس کے سُننے کو وہاں آ کر جمع ہو گئی تھی، راستے بند ہو گئے تھے، آس پاس کے کوٹھے اور بالاخانے خلقت سے بھر گئے تھے۔ اس

دلپذیر وعظ کا نتیجہ ہُوا کہ جس قدر جوان عورتیں قابلِ نکاح اس مجمع میں موجود تھیں اُنھوں نے توبہ کرکے نکاح کرلیا اور جو بوڑھی اور سن رسیدہ نائکہ وغیرہ تھیں انھوں نے محنت و مزدوری سے اپنی گزران کرنی شروع کی[1]

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ان مواعظ وغیرہ کا نتیجہ صرف مخالفت ہُوا، ہزاروں بندگانِ خدا کو نفع بھی ہُوا ہزاروں جاہلیت سے نکل کر اسلام میں آئے، شاہ صاحبؒ کی تقریروں کی کامیابی اسی سے معلوم ہوتی ہے کہ دہلی میں اس سے ہنگامہ مچ گیا اور آپ کی آواز جہاں نہ پہنچ سکتی تھی دشمنوں کے ذریعہ سے پہنچ گئی اور حجت تمام ہو گئی۔

آپ کی زبان میں ایسی تاثیر تھی کہ پتھر موم اور دشمن دوست، منکر معتقد ہو جاتا تھا، اس کے لیے صرف یہی ایک واقعہ کافی ہو گا جو حکیم خادم علی صاحب اورنگ آبادی اپنا چشم دید بیان کرتے ہیں حکیم خادم علی صاحب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ اور کچھ ساتھی جن میں میں بھی تھا شکار کے لیے چلے قطب صاحب کی پرلی طرف میل بھر کے فاصلہ پر ایک گسائیں رہتا تھا جو مرتاض تھا اور اس کے چیلے اس کے پاس رہتے تھے، اس کی کٹی کے اطراف میں سور بہت زیادہ تھے، ہندوؤں کے نزدیک سور بہت عظمت کی چیز ہے، مولانا نے بندوق سے سور کا شکار کیا، اس پر اس گسائیں کے چیلوں میں ایک شور مچ گیا اور گسائیں سمیت سب کے سب مولانا اور ان کے ہمراہیوں سے لڑنے کے لیے آئے، مولانا کے ہمراہی بھی مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو کر اُدھر کو چلے، مولانا نے اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ خبردار جب تک میں اجازت نہ دُوں تم کچھ نہ بولنا اور فرمایا کہ تم ذرا نرمی کرو ہم انشاءاللہ سور اس کو کھلا کر چلیں گے یہ کہہ کر مولانا مسکراتے ہُوئے گسائیں کی طرف بڑھے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ گسائیں صاحب ذرا میری بات سُن لیجئے اس کے بعد جو آپ کے جی میں آئے کیجیے ہم آپ کے پاس موجود ہیں کہیں جاتے نہیں، غرض اس قسم کی نرم گفتگو سے اُس کو نرم کیا، اس کے بعد آپ نے مناسب طور سے اسلام کی دعوت دی اور دونوں جانب سے دیر تک اس معاملہ میں گفتگو رہی، اس کے بعد وہ گسائیں

---

[1] سوانح احمدی و حیاتِ طیبہ

اور اُس کے اکثر ہمراہی مشرف باسلام ہُوئے اور کچھ لوگ گوشائیں کو بھی اور مولانا کو بھی بُرا بھلا کہتے ہُوئے رخصت ہو گئے، مولانا نے رات کو گوشائیں کے پاس آرام فرمایا اور (مور) پکوا کر اس کو کھلایا۔ [1]

کبھی آپ باتوں اور چٹکلوں میں ایسا شرحِ صدر کر دیتے جو طویل تقریروں اور مناظروں سے نہیں ہو سکتا، بادشاہ کی ایک عزیزہ تھیں جن کا نام بی چھکو تھا، بڑی تیز مزاج اور آتش زبان تھیں، اُن سے کسی نے کہا کہ مولانا اسمٰعیل، بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہیں۔ وعظ کے حیلہ سے یا کسی اور حیلہ سے آپ کو اُن کے یہاں بُلایا گیا تاکہ ذلیل کیا جائے، مولانا کو اس واقعہ کی بالکل خبر نہ تھی اور خالی الذہن تھے، آنے کے بعد کچھ حال معلوم ہُوا، مولانا نے بیگم صاحب کو اس طرح سلام کیا جیسے چھوٹے بزرگوں کو کرتے ہیں، انھوں نے کہا، اسمٰعیل! میں نے سُنا ہے کہ تم بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہو، فرمایا اسمٰعیل کی کیا مجال ہے کہ بی بی کی صحنک کو منع کرے، بی بی کے اباجان خود منع کرتے ہیں، کہا یہ کیسے؟ آپ نے "کل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار" یا حدیث "من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو رد" پڑھ کر اس پر تقریر کی اس پر انھوں نے کہا کہ ہمیں کیا معلوم تھا کہ بی بی کے ابّا منع کرتے ہیں ہم تو اُن کی رضامندی کے لیے کرتے تھے جب وہ ناراض ہوتے ہیں تو ہم کیوں کریں۔

ایک روز آپ دہلی میں جامع مسجد کے حوض پر بیٹھے ہوئے وعظ فرما رہے تھے، اتنے میں تبرکات نکلے اور لوگ اُن کے ساتھ بہت زور شور سے نعت پڑھتے ہوئے آئے مگر مولانا نے التفات نہیں کیا اور برابر وعظ کہتے رہے، یہ بات لوگوں کو ناگوار ہُوئی، یہاں تک کہ بادشاہ اکبر ثانی کو اس کی شکایت پہنچی، بادشاہ نے مولانا کو بُلوایا اور ان سے واقعہ دریافت کیا، مولانا نے واقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ یہ تبرکات مصنوعی ہیں اور ان کی تعظیم ہمارے ذمّہ نہیں، بادشاہ نے تیز لہجہ میں کہا کہ عجب بات ہے کہ آپ مصنوعی کہتے ہیں، مولانا نے مسکراتے ہوئے اور نہایت نرم لہجہ میں فرمایا کہ میں تو کہتا ہی ہُوں مگر آپ اس کو مصنوعی سمجھتے بھی ہیں اور معاملہ بھی انکے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں، اکبر شاہ نے تعجب سے پوچھا یہ کیسے؟ مولانا نے فرمایا اس کا ثبوت یہ ہے کہ سال بھر میں دو دفعہ وہ تبرکات آپ کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور آپ ایک دفعہ بھی ان کی زیارت کے لیے نہیں تشریف لے

---

[1] ارواحِ ثلاثہ

گئے، یہ سُن کر اکبر شاہ چُپ ہو رہے، پھر آپ نے کسی سے کہا ذرا قرآن شریف اور بخاری لاؤ، آپ نے اُن کو ہاتھ میں لے کر واپس کر دیا، اس کے بعد فرمایا کہ ان تبرکات میں اوّل تو یہی کلام ہے کہ وہ مصنوعی ہیں یا اصلی، لیکن اگر اُن کو اصلی مان بھی لیا جائے تب بھی اکثر تبرکات جیسے چادر اور قدم وغیرہ ایسے ہیں جن میں کوئی شرف ذاتی نہیں، بلکہ ان میں محض تلبس سے شرف آیا ہے لیکن قرآن شریف کے کلام ہونے میں کسی کو شبہ نہیں، اسی طرح بخاری شریف بھی قریب قریب بالاتفاق اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے اس لیے اس کا بھی کلام رسُولؐ ہونا ناقابلِ انکار ہے اور کلام اللہ اور کلامِ رسُولؐ کے جناب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اوڑھی ہوئی چادر وغیرہ سے اشرف ہونے میں بھی کسی کو کلام نہیں ہو سکتا مگر باوجود ان تمام ناقابلِ انکار باتوں کے کلامِ خدا و کلامِ رسُولؐ آپ کے سامنے آیا مگر آپ نے کوئی تعظیم نہ دی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرات تبرکات کی تعظیم انکے شرف کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ محض ایک رسم پرستی ہے اور کچھ نہیں، اثنا تقریر میں بادشاہ گردن جھکائے بیٹھے ہوئے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اسی سلسلہ میں یہ بھی ہُوا کہ بادشاہ ہاتھوں اور پاؤں میں سونے کے کڑے پہنے ہوئے تھے، آپ نے اس کی بھی حُرمت بیان کی، بادشاہ نے فوراً اُتار دیے، ایک شاہزادہ بیٹھا ہُوا تھا جس کی ڈاڑھی منڈی ہُوئی تھی، اُس نے ڈاڑھی رکھ لی۔[1]

سب سے بڑھ کر آپ کا اخلاص، حرصِ ہدایت اور نیک نیتی تھی اور حقیقت میں سب تاثیر اسی کی تھی، مولانا قاسم صاحب نانوتوی جو خلقاً و خُلقاً شاہ صاحبؒ سے بہت مشابہ تھے اور اپنے زمانہ کے نہایت خوش بیان واعظ و خطیب تھے، سیّد صاحبؒ کے دیکھنے والوں نے انقراضِ صحبت کے بعد پھر کسی کا وعظ نہیں سُنا البتہ اگر کبھی اتفاق ہُوا تو مولوی صاحب مرحوم کا وعظ سُنا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کا وعظ مولانا اسمٰعیل صاحبؒ کے وعظ سے بہت ملتا ہے۔[2]

مولانا بہت کم وعظ فرماتے تھے اگر کوئی بہت اصرار کرتا تو کہہ دیتے، ایک مرتبہ کسی نے اصرار

---

[1] امیر الروایات [2] ارمغانِ احباب

کیاتو فرمایا :

"وعظ ہم لوگوں کا کام نہیں اور نہ ہمارا وعظ کچھ مؤثر ہو سکتا ہے، وعظ کام تھا مولانا سمٰعیل صاحب شہیدؒ کا اور اُنھیں کا وعظ مؤثر بھی ہو سکتا تھا، دیکھو اگر کسی کو پاخانہ پیشاب کی حاجت ہو تو اس کے قلب میں اس وقت تک بے چینی رہتی ہے جب تک وہ ان سے فراغت حاصل نہ کرلے اگر وہ کسی سے باتوں میں بھی مشغول ہوتا ہے یا کسی ضروری کام میں لگا ہوتا ہے تو اس وقت بھی اُس کے قلب میں پاخانہ پیشاب ہی کا تقاضا ہوتا ہے اور طبیعت اُس کی اُسی طرف متوجہ ہوتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جلد سے جلد اس کام سے فراغت پاکر قضائے حاجت کے لیے جاؤں، سو واعظ اور اُس کے وعظ کی تاثیر کے لیے کم ازکم اتنا تقاضائے ہدایت تو ضرور ہونا چاہیے جتنا کہ پاخانہ پیشاب کا، اگر اتنا بھی نہ ہو تو نہ واعظ وعظ کا اہل ہے اور نہ اُس کا وعظ مؤثر ہو سکتا ہے۔ ہم لوگوں کے قلوب میں ہدایت کا اتنا تقاضا بھی نہیں جتنا کہ پاخانہ پیشاب کا۔ اس لیے نہ ہم وعظ کے اہل ہیں نہ ہمارا وعظ مؤثر ہو سکتا ہے ہاں یہ تقاضا مولوی اسمٰعیل صاحب کے دل میں پورے طور پر موجود تھا اور جب تک وہ ہدایت نہ کر لیتے تھے اُن کو چین نہ آتا تھا چنانچہ وہ ایک ایک دن میں بیس بیس جگہ وعظ کہتے تھے، اس لیے وہ وعظ کے اہل تھے اور اُن کا وعظ مؤثر بھی ہوتا تھا" [1]

علمی کمالات اور عملی جد و جُہد کے ساتھ شاہ صاحب دولتِ باطن اور کمالاتِ رُوحانی سے بھی مالا مال تھے اور بغیر اس کے دعوت و عزیمت کا اتنا عظیم الشان کام اور اخلاص و استقامت کا مقام حاصل ہونا مشکل ہے اس سلسلہ میں آپ کے علوِ مقام کا اندازہ آپ کے حالات اور کسی قدر تصنیفات سے ہو سکتا ہے۔ مولوی سید جعفر علی

---

[1] امیر الروایات

جن کو سفرِ جہاد اور قیامِ سرحد کے دوران میں آپ کی ماتحتی میں کام کرنے کا موقع ملا ہے، لکھتے ہیں کہ مولانا فرماتے تھے کہ "مجھے نماز میں غفلت نہیں ہوتی، ہوتی ہے تو فوراً اللہ تعالیٰ متنبہ فرما دیتا ہے"۔ ان کا بیان ہے کہ آخری رمضان میں مولانا اس قدر بیمار اور ضعیف تھے کہ تراویح میں شرکت نہیں کر سکتے تھے، ایک روز آپ نے شرکت فرمائی اور چار رکعتیں خود پڑھائیں جن میں سورۂ اسرار پڑھی، مولوی جعفر علی کہتے ہیں کہ جو لذت اس نماز میں آئی وہ نہ اس سے پہلے کبھی آئی تھی نہ اس کے بعد کبھی آئی (منظورہ)

شاہ صاحبؒ زبانی وعظ و تبلیغ اور اس کے نتیجہ پر قانع نہ تھے، اُن کی اولوالعزم طبیعت اسلام کی صحیح اور پائدار خدمت کے لیے بے چین رہتی تھی، انھوں نے سالہا سال کے عملی تجربہ سے محسوس کیا کہ ان کے مواعظ سے چند سعید رُوحیں اور چند سلیم طبیعتیں ضرور فائدہ اُٹھائیں گی، اگرچہ یہ اپنی نجات و برأت کے لیے کافی ہو لیکن اس سے کوئی خاص انقلاب نہیں ہوگا، اس کے لیے کہ شریعت حکومت سے لے کر گھر تک کا قانون ہو، ملک میں سنت ہی کا سکہ چلے، قوت اور اقتدار کی ضرورت ہے۔

شاہ صاحبؒ اسلام کے سپاہی بننا چاہتے تھے اور سپاہی کو ان تمام ہتھیاروں کی ضرورت ہے جو دشمن کے پاس ہوں یا جن کی ضرورت پڑے اور پہلے بھی آپ نے علم کو ہتھیار کے طور پر حاصل کیا کہ اسلام کی خدمت کے لیے علم بھی ایک ہتھیار ہے پھر اپنے کو جہاد کے لیے تیار کیا، اس وقت کے تمام اسلحہ کا استعمال سیکھا، میدانِ جنگ کی تمام سختیوں اور جفاکشیوں کا عادی بنایا، اس لیے کہ مقصود اسلام کی خدمت تھی، خواہ عالم بن کر خواہ واعظ بن کر، خواہ میدان کا سپاہی بن کر مآل سب کا ایک ہی تھا۔

یہ کس قدر تفقہ اور حکمت و فراست تھی اور صرف علماء ہی کے گروہ میں نہیں بلکہ اُس وقت بلحاظ نیت عام مسلمانوں میں کتنی نئی اور عالی ہمتی کی بات تھی کہ جس وقت تیموری شاہزادے بابر و ہمایوں کی تلواروں سے فتح کی ہوئی سلطنت کھو کر اپنے عشرت خانوں میں میٹھی نیند سوتے تھے، یہ اللہ کا بندہ اس دُھن میں ہوتا تھا کہ اپنے جدِ امجد حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی سلطنتِ عادلہ شرعیہ دُنیا میں دوبارہ لوٹ آئے اور یہ اُسی مقصد کے لیے جس کو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ۔

وہ لوگ جن کو جب زمین میں قدرت دیں تو وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، نیکی کا حکم کریں، بُرائی سے روکیں۔

اس وقت آپ کا ہر لمحہ اسی کی تیاری کے لیے صرف ہوتا تھا، دوپہر کی چلچلاتی ہوئی دھوپ میں جب لوگ خس خانوں میں ہوتے اور کوئی اپنے عافیت خانہ سے مُنہ نہ نکالتا، آپ جامع مسجد فتحپوری کے توے کی طرح جلتے ہوئے پتھر پر ننگے پاؤں چلتے تاکہ میدانِ جہاد میں اگر اس کا موقع ہو تو تکلف نہ ہو، مسلسل ہفتوں جاگنے کی عادت ڈالی، عین وقت پر بلا تاخیر سو جاتے اور عین وقت پر جاگ جاتے، کئی کئی روز مسلسل بھوکے پیاسے رہتے، کئی کئی روز مسلسل پانی میں رہنے اور پیرنے کی مشق کی، ہر فن کے اہلِ کمال سے مردانگی کے فنون، بنوٹ، شمشیر زنی، نیزہ بازی، قادر اندازی حاصل کیے اور اُن میں پورا کمال پیدا کیا، یہاں تک کہ دُور دُور آپ کا جواب نہ رہا، اکثر ایسا ہُوا کہ آپ کے مخالفین آپ کو جامع مسجد یا مسجد فتحپوری کے فرش پر تن تنہا ٹہلتے ہوئے دیکھ کر آپ پر حملہ کرنے کے لیے آئے، جیسے ہی پتھر پر پیر رکھا، معلوم ہُوا جلتے ہوئے توے پر پیر پڑ گیا بیتاب ہو کر اُٹھا لیا، معاً یہ خیال آیا کہ یہ شخص ولی ہے جو اس بے پروائی سے اس آگ پر چل رہا ہے اور فوراً معتقد ہو کر تائب ہو گئے اور جاں نثار بن گئے۔

کبھی لوگوں نے ایسے وقت آپ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، فرمایا یہی دیکھتا ہوں کہ میری وسعت اور طاقت کتنی ہے؟

گولی لگانے کی ایسی مشق تھی کہ اعتماد کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ ناممکن ہے کہ کوئی چڑیا سامنے آئے اور بچ جائے، کسی نے کہا کہ اگر اُس کی قضا ہی نہ ہو؟ فرمایا کہ جس کی قضا نہ ہوگی وہ میرے سامنے آئے ہی گی نہیں، آئے گی وہی جس کی قضا ہوگی۔

ان فنون میں بھی آپ کے کمالات، آپ کے کمالاتِ علمی و دماغی سے کم نہیں رہے، بعد کی عسکری جنگوں میں آپ کی مردانگی اور پختگی کے جوہر کھلے اور معلوم ہُوا کہ یہ شخص مفسر و محدث و فقیہ کے ساتھ کتنا بڑا جنرل اور کتنا بہتر فوجی اور سپاہی ہے، لشکرِ مجاہدین کے آپ ہی سپہ سالارِ اعظم تھے اور آپ کی فوجی قابلیت و جنگی مہارت نے بڑی

ناقابلِ تسخیر مہموں کو چٹکیوں میں سر کیا اور بڑے بڑے نازک موقعوں پر آپ نے اپنے فن اور تدبر سے میدانِ جنگ کا نقشہ بدل دیا۔

آپ کا یہ کمال آپ کے دشمنوں کو بھی تسلیم تھا، آپ کی ہیبت اُن کے دلوں پر بیٹھی ہوئی تھی [۱]

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ اکثر اہلِ کمال نادانستہ طریقہ پر ایک دوسرے صاحبِ کمال کے منتظر و محتاج ہوتے ہیں، قدرت ان کے سارے کمالات کے ساتھ ان میں ایک خلا رکھتی ہے جو صرف اس وقت بھرتا ہے جب یہ دوسرا آدمی اُن کو مل جاتا ہے پھر یہ کیمیا بن جاتے ہیں، جس طرح بغیر دو تاروں کے ملے ہوئے بجلی نہیں پیدا ہوتی اسی طرح اس اتصال و اشتراک کے بغیر وہ قوت کہربائی نہیں پیدا ہوتی جو دلوں اور قلعوں کو تسخیر کرتی ہے۔

مولانا نے سید صاحبؒ سے بیعت کی، بیعت کے بعد آپ کا یہ حال تھا کہ سید صاحبؒ کی جوتیاں اُٹھاتے پالکی کے پیچھے پیدل چلتے، رکاب تھامتے، شکار بند پکڑ کر چلتے، مولوی محمد حسینؒ صاحب کہتے ہیں:

"راستہ میں حضرت فرماتے کہ مولانا خدا نے سواری دی ہے، سوار ہو لو، بس جا کر سوار ہو جاتے، بیس قدم چل کر پھر اُتر پڑتے اور شکار بند آکر پکڑ لیتے پھر حضرت فرماتے مولانا منزل تک سوار ہو چلو، ہاتھ باندھ کر عرض کرتے کہ حضرت، اسمٰعیل کو اتنی بھی مفارقت گوارا نہیں"۔ [۲]

مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندیؒ فرماتے ہیں کہ:

---

[۱] مولوی سید جعفر علی "منظورۃ السعداء" میں لکھتے ہیں کہ "مولانا کا رعب درانیوں کے دلوں پر ایسا بیٹھا ہوا تھا کہ ایک مرتبہ ایک درانی ایک عورت کے گھر میں گھس کر وہاں کا سامان اُٹھانے لگا، اس عورت نے پکار کر کہا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب آپ کہاں ہیں؟ درانی میرے گھر کا سامان لیے جا رہا ہے، یہ سنتے ہی وہ درانی سامان چھوڑ کر بھاگ گیا، اس موقع پر مولوی صاحب نے یہ شعر لکھا ہے ؎

اے نشانِ حیدری زجبینِ تو آشکار
نام تو در نبرد کند کارِ ذوالفقار

[۲] ارمغانِ احباب

"جب حضرت سید صاحبؒ کی تشریف آوری کی خبر مشہور ہوئی تو دیوبند کے بوڑھے بوڑھے لوگ استقبال کو نکلے، شہر کے باہر ایک بزرگ کا مزار ہے وہاں تک پہنچے کہ سید صاحبؒ نظر آئے، ایک ٹانگھن پر سوار تھے اور دونوں طرف دو شخص رکاب تھامے ہوئے چلے آتے تھے۔ ان لوگوں نے آگے بڑھ کر ملاقات کی، اس وقت تک دونوں بزرگوں کی ظاہری وضع و ہیئت سے یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ ..... کہ یہ کون ہیں؟ سید صاحبؒ نے فرمایا کہ ان سے ملو، یہ مولانا محمد اسمٰعیل و مولانا عبد الحی ہیں" [۱]

مولانا محمد حسین صاحب فرماتے ہیں کہ:

"ایک شخص نے شاہ صاحبؒ سے کہا، حضرت آپ کی عمر اور سید صاحبؒ کی ایک ہے، فرمایا کہ عمر، عمر سید صاحبؒ کی ہے، میری کیا عمر، میں اُن کا غلام ہوں، اس لفظ کو مکرر کہتے رہے"۔ [۲]

تکیہ (رائے بریلی) کے قیام میں یہ فاضل بے بدل سید صاحبؒ کے فرمائے ہوئے مضمون کو تختی پر لکھتا اور سید صاحبؒ کو سناتا، سید صاحبؒ کبھی کبھی پانچ پانچ مرتبہ دھلواتے اور لکھواتے اور آپ کی پیشانی پر شکن نہ آتا "صراطِ مستقیم" میں تین تین چار چار سطروں کے القاب میں سید صاحبؒ کا نام لیتے ہیں۔

بیعت کے بعد سے سفر حضر میں مولانا عبد الحی و مولانا محمد اسمٰعیل دونوں بزرگ سید صاحبؒ کے ساتھ رہے رائے بریلی کے قیام میں ہر حال میں شریکِ حال رہے، فاقے کئے، لکڑیاں کاٹیں، گھاس چھیلی، اینٹیں تھاپیں، مکانات اور مسجدیں بنائیں۔

مولوی محمد جعفر صاحب "سوانح احمدی" میں آپ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"جس تاریخ سے یہ دونوں بزرگ داخلِ خدام ہوئے تھے، اس تاریخ سے تا مرگ

---

[۱] [۲] ارمغانِ احباب

بلا کسی دینی ضرورت کے آپ کی خدمت بابرکت سے ایک دم بھی علیحدہ نہیں ہوئے اور حق تو یہ ہے کہ ان بزرگوں نے سید صاحبؒ کو خوب پہچانا تھا ان کی جاں نثاری اور فرمانبرداری ضرب المثل ہے، یہ دونوں بزرگ آپ کی پالکی کے ساتھ ننگے پاؤں دوڑنے کو فخر دارین جانتے تھے اور ان دونوں سرتاج علماء دہلی نے جن کی تعظیم بادشاہ دہلی تک کرتے تھے، اپنے تئیں بالکل مٹادیا تھا۔ پاخانہ کماتے، چکی پیستے، دانہ دلتے، گھاس کھودتے، بوجھ اٹھاتے، سائیسی کرتے، غرض کسی ذلیل سے ذلیل کام سے بھی آپ کو عار نہ تھا، روحانی برکات حاصل ہونے کے بعد یہ دونوں خاندانی بزرگ، مقتدائے قوم و امیرزادے ناز و نعمت میں پلے ہوئے، دہلی سے خوش خوراک اور خوش وضع شہر کے باشندے اب بچی کھچی کھچڑی یا اُسکی کھرچن کھا کر یا دو تین وقت کڑاکے کے فاقے کھینچ کر اور چٹائیوں یا خالی زمین پر سو کر ایسے خوش خرم اور شاداں و فرحاں رہتے تھے کہ وہ کبھی ان کو دہلی کے پلاؤ قورمہ تو شک و تکیہ میں بھی نصیب نہیں ہوئی تھی"۔

رائے بریلی سے سید صاحبؒ کی معیت میں آپ لکھنؤ تشریف لے گئے اور سید صاحبؒ کے ساتھ قیام فرمایا اور اصلاح و ارشاد کا کام اسی زور شور سے شروع کر دیا جیسے دہلی میں آپ کرتے تھے، آپ کے مواعظ میں سارا شہر ٹوٹ پڑتا تھا اور مسجدوں میں تل دھرنے کو جگہ نہیں ہوتی تھی، لکھنؤ میں آپ کی قدرت لسانی و سحر بیانی کی شہرت پہلے سے تھی، اُمراء و حکام سے لے کر غرباء تک آپ کے وعظ کے مشتاق تھے۔ بادشاہ سے لے کر عوام تک ان تقریروں سے متاثر ہوئے اور لکھنؤ میں اصلاح خیال کی ایک لہر دوڑ گئی۔

لکھنؤ کے کامیاب سفر کے بعد آپ برابر سید صاحبؒ کی خدمت میں رہے، اسی زمانہ میں "تقویۃ الایمان" لکھی، جس نے ہندوستان میں ایک انقلاب برپا کر دیا، اس کی مخالفت میں جو کچھ کہا یا کیا گیا ہے اس کی تاثیر اور اہمیت کی دلیل ہے، مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ "مولوی اسمٰعیل صاحبؒ کی حیات ہی میں اس سے دو ڈھائی لاکھ آدمی درست ہو گئے تھے اور اُن کے بعد جو نفع ہوا تو اس کا تو اندازہ ہو ہی نہیں سکتا"۔

حج سے آنے کے بعد آپ نے گلی کوچہ اور شہر و قریہ میں جہاد کا وعظ کہا اور ہزاروں آدمیوں کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں سر دینے پر آمادہ کر لیا، پھر سید صاحبؒ اور صدہا مجاہدین و مہاجرین کی معیت میں آپ نے ہندوستان سے ہجرت فرمائی اور سفر جہاد کیا جو خود جہاد سے کم نہ تھا، پھر آخری سانس تک اسی عبادت میں مشغول رہے اور کبھی بھول کر بھی اپنے وطن کا خیال دل میں نہ لائے، نہ کبھی آسائش و آرام اور اعزاز و اکرام کی اس زندگی کو یاد کیا جس کو آپ ہندوستان میں چھوڑ کر آئے تھے، آپ کی یہ قربانی کچھ کم نہ تھی کہ آپ نے اس مقصدِ عزیز کے لیے دولت و عزت اور امیرانہ زندگی کو خیرباد کہہ کر فقر و فاقہ، جفاکشی اور ہر وقت خطرات سے بھری ہوئی زندگی اختیار کی۔ میدانِ جہاد سے اپنے ایک دوست شاہ سید طالب اللہ کے نام ایک خط میں آپ نے اسی حقیقت کو بیان کیا ہے جو آپ کا اور آپ کے بہت سے رُفقاء کا حال تھا۔

مخدوما مردم را کار دُنیاوی در ہر آن بصد مراتب بہتر از کاروبار ایشاں لاحق حال بود، چہ ما مخلصاں ہم از نوعِ بشر ہستیم، نہ از قسمِ مَلک و ساکنانِ زمین ہستیم۔ نہ کروبیانِ فلک، انواعِ معاش ہزار مرتبہ از ایشاں بہتر می داشتیم، و خود را از ملوکِ زمین و زماں می پنداشتیم لیکن از بسکہ از جُملہ مسلمانانِ کلمہ گو بودیم و از جنس طالبانِ حق جو، چوں رضائے مولائے خود منحصر در اقامتِ جہاد در یافتیم آں ہمہ مشاغل بیہودہ را محض حسبۃً للہ بگذاشتیم۔

مخدومِ من! ہم لوگ دُنیاوی کاروبار بھی ان لوگوں سے (جو اپنی مشغولیت و ذمّہ داری کا عُذر بیان کرتے ہیں) سیکڑوں گنا زیادہ رکھتے تھے اس لیے کہ ہم نیازمند بھی انسان ہی ہیں فرشتہ نہیں اور زمینی مخلوق ہیں، آسمانی نہیں، ذرائع معاش اُن سے کہیں بہتر رکھتے تھے، اور اپنے کو بادشاہ سمجھتے تھے، لیکن چونکہ کلمہ گو مسلمانوں کے گروہ میں تھے اور حق کے طالب اور جویا تھے، جب ہم نے دیکھا کہ مالک کی مرضی اس وقت جہاد کے قائم کرنے ہی میں ہے، ان تمام بیکار مشاغل کو اللہ کی خوشی کے لیے خیرباد کہہ دیا۔

اس مقصد کا حقیقی عشق اور اس کی راہ میں اخلاص کا ایسا مقام اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا کہ نفسانیت اور جاہ طلبی اور خودی کا نام و نشان باقی نہیں رہا تھا، اسی خط کے ایک ٹکڑہ سے اس کا اندازہ ہوتا ہے

فرماتے ہیں:

اگر جناب امام ہمام مرا ازیں عسکر سعادت پیکر بصد عنف و اہانت بیروں فرمایند و بصد خواری و مذلت اخراج نمایند ہرگز ہرگز انفکاک ازیں جنود املاک نتوانم و جان خود باز بصد حیلۂ وفن از خدام ایشاں رسانم۔	اگر سید صاحبؒ مجھے اس مبارک لشکر سے نہایت سختی اور ذلت و اہانت کے ساتھ نکال دیں اور باہر کر دیں تو بھی ہرگز ہرگز اس فرشتہ صفت فوج سے جدا نہیں ہو سکتا، سو تدبیروں سے پھر اُن کے خدام میں شامل ہو جاؤں گا۔

نگینہ کے مولوی عبداللہ صاحب مرحوم جو جہاد میں شریک تھے، بیان کرتے ہیں کہ بالاکوٹ میں مولوی محمد سمٰعیل صاحبؒ نے سید صاحبؒ سے میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت چاہی، حضرت نے فرمایا کہ مولانا اس لڑائی میں ہماری فتح نہیں ہے، آپ نہ جائیے، آپ کے جہادِ لسانی سے انشاء اللہ تعالیٰ بندگانِ خدا کو بہت فائدہ پہنچے گا، مولوی صاحبؒ نے ہاتھ جوڑ کر فرمایا کہ حضرت یہ سر تصدق کرنے کو لایا ہوں، آپ مجھ کو اجازت ہی دیجئے، سید صاحبؒ خاموش ہو گئے اور مولانا میدان میں گئے، ایک گولی آپ کے انگوٹھا میں لگی، انگوٹھا کٹ گیا، آپ پھر تشریف لائے سید صاحبؒ نے پھر منع فرمایا مگر مولانا نے پھر الحاح وزاری سے اجازت مانگی اور تشریف لے گئے، مجھے یاد ہے کہ تین مرتبہ سید صاحبؒ نے روکا، آخر کو مولانا سمٰعیل صاحبؒ کی پیشانی پر ایک زخم کاری لگا اور آپ شہید ہوئے[1]

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

جسدِ مبارک کو شناخت کرکے ندی کے ایک کنارے اپنے مولد اور اپنے اجدادِ کرام کے مدفن سے سیکڑوں میل دُور نہایت سادہ طریقہ پر سپردِ خاک کر دیا گیا۔

---

[1] ارمغانِ احباب از مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مصنف "نزہۃ الخواطر" یہ کتاب دہلی اور اس کے اطراف کے نام سے مکتبہ ندوۃ العلماء اور انجمن ترقی اردو دہلی کی طرف سے شائع ہوئی۔

لیکن شاہ صاحبؒ کا تذکرہ میرے نزدیک اس وقت تک مکمل نہ ہوگا جب تک کہ اس سلوک کا ذکر نہ کیا جائے جو ان کی زندگی کو چھوڑ کر ان کی شہادت کے بعد ان کے ساتھ اس قوم نے کیا جس کی عزت و آبرو کے لیے انھوں نے اپنا سر کٹایا اور جس کے زندہ رہنے کے لیے وہ مر گئے۔

۲۴ ذیقعدہ سنہ ۱۲۴۶ھ سے لے کر اس دن تک جس کو سو برس سے زائد ہوئے، شاید کوئی دن طلوع ہوا ہو جس کی صبح کو اس شہید اسلام کی جس کی اور فضیلتیں برطرف اس کی شہادت مسلّم اور شہداء کی مغفرت مسلّم، تکفیر و تضلیل میں کوئی فتویٰ نہ نکلا ہو، لعنت و سب و شتم کا کوئی صیغہ نہ استعمال کیا گیا ہو، علماء کی مجلس میں اس پر اتنی لعنت کی گئی جتنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر بنی اُمیہ کے دربار میں نہیں کی گئی، فقہ و فتاویٰ کی کوئی دلیل ایسی نہیں جو اس کے کفر کے ثبوت میں نہ پیش کی گئی ہو، وہ ابوجہل و ابولہب سے زیادہ دشمن اسلام، خوارج و مرتدین سے زیادہ مارق من الدین و خارج از اسلام، فرعون و ہامان سے زیادہ مستحق نار، کفر و ضلالت کا بانی، بے ادبوں و گستاخوں کا پیشوا، شیخ نجدی کا مقلد و شاگرد بتایا گیا، اور یہ ان لوگوں نے کہا جن کے جسم نازک میں آج تک اللہ کے لیے ایک پھانس بھی نہیں چبھی، جن کے پیروں میں اللہ کے راستہ میں کبھی کوئی کانٹا نہیں گڑا، جن کو خون چھوڑ کر کہ سکا ان کے یہاں کیا ذکر، اسلام کی صحیح خدمت میں پسینہ کا ایک قطرہ بہانے کی سعادت بھی حاصل نہیں ہوئی، اور یہ ان لوگوں نے کہا جن کی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کی عزت و عصمت بچانے کے لیے اس نے اپنا سر کٹایا، تو کیا اس کا یہی گناہ تھا اور کیا دنیا میں احسان فراموشی کی اس سے بڑھ کر نظیر مل سکتی ہے؛ جس وقت پنجاب میں مسلمانوں کا دین و ایمان، جان و مال عزت و آبرو محفوظ نہ تھی، سکھوں کے گھروں میں مسلمان عورتیں تھیں، مساجد کی بے حرمتی ہو رہی تھی اور ان میں گھوڑے باندھے جاتے تھے، اس وقت یہ غیرتِ ایمانی و حمیتِ اسلامی والے جو ایک کلمۂ کفر برداشت نہیں کر سکتے، کہاں تھے؟ اور کیا آج بھی شاہ ولی اللہؒ کے پوتے کے علاوہ کوئی کافر نہیں۔

ممکن ہے کہ بعض قارئین کو ان الفاظ سے تکلیف ہو لیکن ؎

رکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

مولانا سیّد محمّد علی رامپوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ علّامۂ معقول ومنقول مولانا حیدر علی صاحبؒ کے حقیقی چھوٹے بھائی، سیّد صاحبؒ کے جلیل القدر خلیفہ، فاضلِ بے بدل اور مقبول ومشہور سالک وہادی تھے۔

مقام سوات سے آپ کو اور مولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادی کو سیّد صاحبؒ نے ہدایت واصلاح کے لیے جنوبی ہند بھیجا، اُن کے حق میں دُعائے خیر فرمائی اور اُن کی کامیابی کی امید ظاہر کی، راستہ میں وعظ وتبلیغ فرماتے ہُوئے آپ حیدر آباد (دکن) پہنچے، حاسدوں اور بدخواہوں نے بدنام وناکام کرنے کی بہت کوشش کی، حکام کو غلط اطلاعیں پہنچائیں لیکن آپ کے پہنچنے پر نائب السلطنت نے آپکا ایسا عظیم الشان استقبال کیا جو صرف نواب سکندر جاہ کا ہُوا تھا اور ڈھائی سو روپیہ نذرانہ مقرر کیا، ہزارہا آدمیوں نے بیعت کی، نواب ناصر الدولہ کے بھائی نواب مبارز الدولہ بھی مرید ہُوئے اور خلافت حاصل کی، بیعت سے نواب صاحب کی حالت بدل گئی، آپ کی چار سے زیادہ بیویاں تھیں، آپ نے چار کے علاوہ باقی کو چھوڑ دیا۔

چلتے وقت آپ نے نواب منیر الملک سے ملاقات کی، ان کی مجلس میں دستور تھا کہ موت کا ذکر صریحاً نہیں ہوتا تھا بلکہ بطریق کنایہ وتعریض، مثلاً کسی کے مرنے کے متعلق کہتے کہ "علاج ناموافق آیا" اور اگر رعایا یا ملازمین

میں سے کوئی مرتا تو کہتے کہ "فلاں شخص تصدق ہوگیا"۔ لیکن آپ نے وہاں جاکر سکراتِ موت سے لے کر تاریکیٔ قبر، نزع فزعِ اکبر، عبورِ صراط، دخولِ جنت و نار کا ذکر اس طرح کیا کہ اگرچہ موت کا لفظ نہیں آنے پایا مگر عالمِ برزخ اور میدانِ حشر کی تصویر کھنچ گئی اور نواب صاحب کا رُومال آنسوؤں سے تر ہوگیا، نواب صاحب نے قیام کی درخواست کی، آپ نے عذر فرمایا اور مولانا ولایت علی صاحب کو ٹھہرا کر خود مدراس روانہ ہوگئے۔ [1]

محرم ۱۲۴۵ھ میں آپ مدراس پہنچے اور مولوی عبد العلی صاحب بحر العلوم کے صاحبزادہ مولوی عبد الرب صاحب کے مدرسہ میں فروکش ہوئے اور ترویجِ حق اور اشاعتِ توحید و سُنّت کا کام شروع کیا، چند دنوں میں شہر میں آپ کے وعظ کی دُھوم مچ گئی اور ہزارہا آدمی تائب اور آپ کی بیعت میں داخل ہونے لگے، نواب محمد خان عالم خاں بہادر، تہور جنگ مدراس کے ایک فاضل رئیس تھے، وہ ایک روز دو سو آدمیوں کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تھوڑی گفتگو کے بعد آپ نے بیعت کرلی، نواب صاحب نہایت شوقین، رنگین مزاج، آزاد طبیعت رئیس تھے موسیقی اور باجوں کا خاص ذوق تھا، ایک کمرہ صرف باجوں سے بھرا ہُوا تھا، اور اس کے لیے ایک عملہ نوکر تھا، بیعت ہونے کے بعد مولانا کے کچھ فرمائے بغیر تمام باجوں کو تڑوا دیا اور تمام منہیاتِ شرعی سے توبہ کی، مدراس کے شوقین رئیسوں کو اطلاع ہُوئی تو ہزاروں روپیہ دے کر خریدنا چاہا، مگر آپ نے "آنچہ برخود نہ پسندی بر دیگراں مپسند" کے مطابق ان کو کسی کے استعمال کے قابل نہ رکھا، بیعت کے بعد آپ کی کیفیت اور آپ کے گھر کا کارخانہ بدل گیا، بجائے شراب و موسیقی کے ہر وقت قرآن و حدیث کا مطالعہ اور وعظ و نصیحت کا مشغلہ تھا، گھر کے مرد، عورت، چھوٹے بڑے سب مولانا کے مُرید ہوگئے تھے، صرف آپ کی والدہ باقی تھیں جو حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی اولاد سے تھیں، وہ بھی خواب میں حضرت شیخ کی ہدایت کے مطابق مولانا کی بیعت سے مشرف ہُوئیں، آپ کی صاحبزادی بہو بیگم، نواب صاحب مدراس، نواب عظیم جاہ بہادر کے عقد میں تھیں اور والد کے رنگ میں رنگی ہُوئی تھیں اور مردانہ استقامت رکھتی تھیں، نواب صاحب کی کوشش کے باوجود، ذرہ برابر بھی اپنے عقائدِ صحیحہ سے نہ ہٹیں نواب صاحب

---

[1] تاریخ احمدیہ

نے طلاق کی دھمکی دی تو خان عالم خان صاحب نے فرمایا کہ آپ طلاق دے دیں گے تو میں آپ ہی کے اصطبل کے مسلمان سائیس سے اس کا نکاح کر دوں گا، بہو بیگم نے نواب صاحب کو جواب دیا، اگرچہ میں آپ کی کنیز اور آپ میرے آقا ہیں لیکن خدا کے سامنے ہر ایک کو اپنا اپنا جواب دینا پڑے گا، اس لیے میں آپ کی وجہ سے اپنی آخرت برباد نہیں کر سکتی۔

صوبۂ مدراس میں اس وقت بڑی ظلمت و جہالت تھی، مسلمانوں میں گھر گھر مشرکانہ اعمال ہوتے تھے، مسلمانوں کی معاشرت ہندوؤں کے رنگ میں رنگ گئی تھی، گائے کا گوشت کھانا حرام ہو گیا تھا، مولانا کے قیام اور مؤثر مواعظ سے انقلاب عظیم ہو گیا، شراب بکنی بند ہو گئی، مدراس کے کلالوں نے حکومت میں عرضی پیش کی کہ سیندھی اور شراب کا مقررہ ٹیکس ہم نہیں ادا کر سکتے، اس شہر میں ہندوستان سے ایک عالم آیا ہے، اس نے تمام مسلمان خریداروں کو سیندھی اور شراب نوشی سے منع کر دیا ہے، اس لیے شراب اور سیندھی کا بکنا بند ہو گیا ہے، کلکٹر کے حکم سے پولیس نے اس کی تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ کلالوں کا استغاثہ صحیح ہے، کسبیوں اور طوائفوں نے نواب صاحب کرناٹک کی سرکار میں عرضی گذاری کہ ہمارے روزگار میں اس نو وارد سید کے وعظ و نصیحت سے بڑا خلل پڑ گیا ہے، سرکار میں ہماری جس قدر باقیات ہیں وہ مرحمت ہو جائیں تاکہ روزمرہ کا خرچ چلے[1]

بڑی کامیابی کے بعد بالاکوٹ کے حادثہ کی خبر سن کر مدراس میں اپنے بہت جانشین چھوڑ کر آپ وطن رامپور تشریف لائے۔

چار برس کے بعد نواب عظیم جاہ بہادر کی والدہ کی درخواست پر دوبارہ مدراس تشریف لے گئے، بہت لوگوں نے فائدہ اٹھایا لیکن اس مرتبہ اہل بدعت و نفاق نے آپ کے خلاف قیامت برپا کر دی، حکام کو آپ کے خلاف کر دیا۔ بڑی شورش ہوئی، مولوی جمال الدین لکھنوی اس فتنہ کے قائد تھے، آپ کی تکفیر ہوئی، "تقویۃ الایمان" جلائی گئی، مولوی خان عالم خاں کی تنخواہ نواب صاحب نے بند کر دی، آپ صبر و تحمل سے کام لیتے رہے، کمانڈر انچیف

---

[1] سوانح احمدی

نے ایک عرضی آپ کے دستخط کے لیے بھیجی، آپ نے اُس کو پھاڑ ڈالا، آخر کار پولیس کے جبر اور فتنہ سے بچنے کے لیے آپ کو مدراس چھوڑنا پڑا۔ [1]

سنہ ۱۲۵۲ھ میں آپ واپس ہوئے اور سنہ ۱۲۵۸ھ میں برابر اصلاح و ارشاد میں مشغول رہ کر انتقال فرمایا۔

آپ کا علم و فضل مسلّم تھا، زبان میں نہایت تاثیر تھی، کشف بہت بڑھا ہوا تھا، صاحب مقامات و کرامات تھے۔

---

[1] مدراس میں دُنیا پرست علماء کے اس فتنہ کی تفصیلات معلوم کرنے کے لیے ملاحظہ ہو، نواب خان عالم خان کی کتاب "تنبیہ الضالین"۔

مولانا ولایت علی عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ

سنہ ۱۲۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔ مولوی فتح علی صاحب کے بیٹے اور رفیع الدین حسین خاں کے نواسے تھے جو صوبہ بہار کے ناظم و رئیس اور عمائد میں سے تھے، آپ نانا کے بڑے لاڈلے تھے، ہر وقت عمدہ ریشمی یا زریں لباس ڈھاکے کی جامدانی اور تن زیب کا جوڑا آپ کے زیب تن رہتا تھا اور خوشبو و عطر سے معطر رہتے، انگلیوں میں سونے کی انگوٹھیاں اور چھلّے ہوتے، لکھنؤ میں تھے تو وہاں کے شوقین، خوش پوشاک اور رنگین مزاج نوجوانوں میں آپ کا شمار تھا، استاد کے ساتھ سیّد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تقریر سُنی، اُسی وقت حضرت مصعب بن عمیرؓ کی طرح کیفیت بدل گئی[1] اب وہ عظیم آباد و لکھنؤ کے بانکے نوجوان نہ تھے، بلکہ سیّد صاحبؒ کی جماعت کے ایک جفاکش مزدور اور معمولی خادم تھے۔

رائے بریلی میں مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ سے حدیث پڑھتے اور آپ کی جماعت میں نائب تھے، جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر اور سر پر لاد کر لاتے، اپنے ہاتھوں سے کھانا پکاتے، مٹی گارے کا کام کرتے۔[2]

---

[1] مصعبؓ مکّہ کے ایک ناز پروردہ امیرزادے تھے، جس وقت چلتے بدن پر کئی سو روپیہ کی پوشاک ہوتی، سواری کے آگے پیچھے غلام ہوتے، اسلام کے بعد مدینہ میں بدن پر ایک کمبل ڈالے اسلام کی منادی کرتے پھرتے، شہید ہوئے تو اسی کمبل میں دفن ہوئے ۱۲ (بخاری) [2] دیکھو باب اول

ایک مرتبہ آپ کے والد نے آپ کے بچپن کے خدمتگار کو چار سو روپیہ نقد، دس بارہ جوڑے کپڑے اور دُوسرے سامان کے ساتھ آپ کے پاس رائے بریلی بھیجا، اُس نے تکیہ پہنچ کر قافلہ میں آپ کو دریافت کیا، لوگوں نے بتایا کہ دریا کے کنارے گارے مٹی کا کام کر رہے ہیں، وہ دریا کے کنارے پہنچا، وہاں بہت سے لوگ گارے مٹی کے کام میں لگے ہوئے تھے، اُن میں مولوی ولایت علی صاحب بھی ایک موٹا تہبند رنگا ہُوا باندھے ہوئے اور گارے میں لتھڑے ہُوئے اپنا کام کر رہے تھے، آپ کی صورت ایسی بدل گئی تھی کہ اس پرانے خدمتگار نے آپ کو نہیں پہچانا اور خود آپ سے پُوچھا کہ مولوی ولایت علی صاحب پٹنہ والے کہاں ہیں؟ آپ نے کہا کہ بھائی ولایت علی تو میرا ہی نام ہے! اُس نے بڑے غصہ سے کہا کہ مَیں تم کو نہیں پُوچھتا، مَیں اُن ولایت علی کو پوچھتا ہُوں جو مولوی فتح علی صاحب کے صاحبزادے اور رفیع الدین حسین خاں صاحب ناظم صوبہ بہار کے لاڈلے نواسہ ہیں، آپ نے کہا کہ صادقپوری ولایت علی تو مَیں ہی ہُوں، اُس نے کہا کہ تم مجھ سے ہنسی کرتے ہو، آپ نے فرمایا اچھا جاؤ قافلہ میں تلاش کرو، بعد میں اس کو معلوم ہُوا کہ اس کے یوسف گم گشتہ یہی ہیں، اس نے وہ سب چیزیں حوالہ کیں اور اُن کی پہلی حالت یاد کر کے بہت رویا، آپ نے وہ سب سامان سیّد صاحبؒ کے قدموں پر ڈال دیا کہ قافلہ میں جس کو مستحق سمجھیں اور جس طرح چاہیں صرف کریں اور دُوسرے دن پھر اسی حالت میں کام شروع کیا۔

سیّد صاحبؒ کی جماعت میں آپ سے زیادہ مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ سے کوئی مشابہ نہ تھا، آپ سیّد صاحبؒ کے رنگ میں ایسے رنگے اور آپ کی محبت میں ایسے ڈُوبے کہ اپنے سارے خاندان کو اپنے رنگ میں رنگ دیا، اور سیّد صاحبؒ کا مخلص اور جانباز سچّا نام لیوا بنا دیا، سیّد صاحبؒ کے بعد آپ ہی نے سب سے زیادہ آپ کی نیابت و جانشینی کا حق ادا کیا، اور آپ کے خاندان نے سیّد صاحبؒ کی محبت کی سب سے گراں قیمت اور سب سے بھاری تاوان ادا کیا، آپ کی ترغیب سے خاندان کے سب مرد و زن، خورد و کلاں سیّد صاحبؒ سے بیعت ہو گئے تھے سیّد صاحبؒ حج کو تشریف لے گئے تو آپ وطن میں دعوت و عزیمت کے فرائض انجام دیتے رہے، پھر سیّد صاحبؒ کے ہمرکاب جہاد کے لیے تشریف لے گئے، سیّد صاحبؒ نے آپ کو کابل سفارت پر بھیجا، ڈیڑھ مہینہ آپ کا قیام رہا اور روزانہ توحید و اتباعِ سنّت کا وعظ اور جہاد کی ترغیب فرماتے رہے، سوات سے سیّد صاحبؒ

نے آپ کو اور مولانا سید محمد علی صاحبؒ کو تبلیغ واشاعتِ دین کے لیے ہندوستان روانہ فرمایا، مولانا ولایت علی صاحبؒ پر آپ کی جدائی اور سیدانِ جہاد سے علیحدگی بہت شاق تھی، سید صاحبؒ نے آپ سے فرمایا کہ مولانا ہم آپ کو تخم کر کے اُٹھاتے ہیں، یعنی اس ایک تخم سے ہزاروں درخت پیدا ہوں گے، آپ وہاں سے بمبئی حیدرآباد (دکن) آئے، چند روز میں حیدرآباد کے گلی کوچہ میں آپ کا شہرہ ہوگیا۔ نواب مبارزالدولہ نے بیعت کی لاکھوں آدمی آپ کے وعظ سے توحید وسُنّت کے پابند ہو گئے، آپ کو اسی اثنا میں بالاکوٹ کے حادثہ کی اطلاع ہوئی۔ سید صاحبؒ کی خبرِ شہادت سے سارا بار آپ پر پڑ گیا، ہندوستان میں سید صاحبؒ کے خُلفاءِ عظام میں اب صرف آپ کا اور مولانا محمد علیؒ کا دَم باقی تھا، تمام ہندوستان میں سید صاحبؒ کے حلقوں میں آپ کی شہادت سے ایک انتشار و پژمردگی چھائی ہوئی تھی، مولانا محمد علی صاحبؒ مدراس میں مشغول تھے، آپ نے بمطابق آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ، سید صاحبؒ کے کام کو سنبھالا، وطن پہنچ کر تبلیغ دین وتنظیم جماعت کا کام شروع کیا، لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر تجدید بیعت کی، بیت المال قائم ہوا، آپ نے شاہ محمد حسین صاحبؒ کو جامع مسجد نمو ہیہ کا امام اور چھپرہ، مظفر پور، ترہٹ اور اطراف پٹنہ کے تلقین وہدایت کے لیے معیّن کیا۔ مولوی عنایت علی (برادرِ حقیقی) کو اہلِ بنگال کی ہدایت وارشاد کے لیے روانہ کیا، مولوی زین العابدین اور محمد عباس حیدرآبادی کو خلعتِ خلافت عطا فرما کر اُڑیسہ اور صوبہ الٰہ آباد وغیرہ کی طرف تبلیغ کے لیے بھیجا، شہر پٹنہ میں نواب فخرالدولہ کی مسجد میں دوبارہ جُمعہ قائم کیا، جہاں جُمعہ کے بعد آپ کا وعظ ہوتا، اس کے علاوہ دوسرے اصحاب کو گاؤں اور قصبات کی اصلاح وہدایت کے لیے مقرر کیا، مجمعوں اور میلوں میں خود جاکر وعظ وتبلیغ کرتے، جُلاہوں کو اُن کے کارگاہوں میں جاکر اور کسانوں کو ان کے کھیتوں میں پہنچ کر اللہ کی اطاعت وبندگی کی ترغیب دیتے اور اُن کی بدزبانیوں اور غصہ کو شربت کے گھونٹ کی طرح پیتے، گاؤں گاؤں، دیہات دیہات خود دورہ کرتے اور اللہ رسُولؐ کا حکم پہنچاتے، اکثر آپ کو اپنے مرکز اور مقام پر پہنچنے میں مہینوں اور برسوں لگ جاتے، مکان پر ظہر کی نماز کے بعد قرآن وحدیث کا درس دیتے، مولوی عبداللہ صاحب قاری ہوتے، دوسرے علماء تفسیریں لے کر بیٹھتے، علماء ومُریدین کی بڑی جماعت شریک ہوتی، قرآن مجید اور بلوغ المرام کا لفظی ترجمہ مردِ ل،

بچوں اور عورتوں کو پڑھاتے، آپ ہی کی کوششوں سے حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ کا ترجمۂ قرآن اور شاہ اسمٰعیل صاحبؒ کے رسائل (جو آپ نے شاہ اسحٰق صاحبؒ سے دہلی سے منگائے تھے) پہلی مرتبہ طبع و شائع ہوئے، اس کے ساتھ اصلاحِ باطنی اور تزکیۂ نفس و تعلیمِ سلوک میں وقت صرف کرتے، غرض ایک مشین تھی جو ہدایت و صلاح کا کام ہر وقت کرتی رہتی تھی۔

آپ میں صحابۂ کرامؓ کے سے اوصاف اور اہل اللہ کے کمالات تھے، رہائش نہایت سادہ تھی، نفس پر نہایت قابو تھا، آپ کے پاس بیٹھنے سے دل دُنیا سے سرد ہوجاتا اور دین کا جوش اُٹھتا، چہرہ سے غربت و مسکینی، خضوع و خشوع، حزن و ملال و فکر ظاہر ہوتا، رات کو اور کبھی دوپہر کو اکثر آسمان کے نیچے کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر دیر تک دُعا کرتے رہتے۔ لباس اکثر موٹا اور پرانا ہوتا، کھانا بھی موٹا جھوٹا باسی، کھانا مساکین کے ساتھ کھاتے اور انھیں کے ساتھ رہتے، گھر والے بھی ویسے ہی سادہ زندگی گذارتے، اپنی کل آمدنی بیت المال میں داخل فرماتے اور ہدایا، مساکین اور مؤلفۃ القلوب پر صرف کرتے، لوگوں کو دُنیا سے بے رغبتی اور انکساری کی تعلیم دیتے، امتیازِ نفس کو دُور کرنے کے لیے مختلف عنوان سے عمداً انکساری کراتے تاکہ شریفوں سے فخرِ انساب، عالموں سے امتیاز، عابدوں سے اپنی عبادت پر گھمنڈ اور بھروسہ، دولتمندوں سے کبر و نخوت، محدثوں سے شدت دُور ہو اور ان میں بغیر حصّۂ نفس کے حق کی تلاش و جستجو ہو، وہ مسکینوں اور نیچوں سے محبت کریں، ناخواندوں کے عمل کی قدر کریں اور فساق و فجار کے اعمالِ بد سے اُن کے دل میں ٹیس اُٹھے اور اُنھیں ہم آغوش کر کے اُن کے ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے ان کے دل میں شکر و احسان پیدا کریں اور فروعی مسائل میں مخالفت کے عوض رواداری پیدا ہو، ہر کام میں خود پیش پیش ہوتے اور ہر موقع کے لحاظ سے ملفوظاتِ طیبہ فرماتے جو بجلی کی طرح لوگوں کے دلوں میں تیر جاتے، لوگوں کو دُعا و عبادت خصوصاً تہجد کی ترغیب دیتے اور آپ کے صحبت یافتوں میں دُعا اور تہجد کی بے حد پابندی تھی، آپ کے صحبت و تعلیم یافتہ نہایت باوضع تھے، اُن کے دیکھنے سے خدا یاد آتا تھا، آپ کی تربیت صاحبِ ایمان کو راہِ حق میں سرفروشی کیلئے بیتاب و سرشار کر دیتی، آپ نے اپنے شیخ اور اُن کے مخصوص خلفاء کی طرح بیسیوں مُردہ سنتیں زندہ کیں، اپنے ہاتھ سے اپنے خاندان میں متعدد بیواؤں کا نکاحِ ثانی کیا، شادیوں اور تقریبوں میں رسُوم کی اصلاح کی، جمعہ و جماعت

کی شان دوبالا کی، رمضان و تراویح کی رونق بڑھائی، دو برس کے بعد آپ راستہ میں وعظ و تبلیغ فرماتے ہوئے حج کو تشریف لے گئے، حج و زیارت کے بعد آپ یمن تشریف لے گئے اور نجد و عسیر، مسقط، حضرموت کی سیر کی اور قاضی محمد بن علی شوکانی سے حدیث کی سند لی۔

حج سے واپسی کے بعد مجاہدین کی طلب پر آپ نے اپنے بھائی مولوی عنایت علی صاحب کو گلاب سنگھ کے مقابلہ کے لیے سرحد بھیجا، کچھ عرصہ کے بعد خود تشریف لے گئے اور خود انتظام شروع کیا، گلاب سنگھ نے انگریزوں سے معاہدہ کر لیا اور اُن کی حمایت حاصل کی اور انگریز افسروں نے مفتوح ملک میں غدر کرا دیا اور آپ کے عمال و اہل پولیس قتل کر دیے گئے، رئیس بالاکوٹ جو مجاہدین کا معاون تھا اور جس کی درخواست پر آپ تشریف لے گئے تھے، بدل گیا آپ نے سوات جانا چاہا اور انگریز افسران سے اُن کی عملداری سے گذرنے کی درخواست کی، اُنھوں نے منظوری کی اور اقرارنامہ لکھ دیا لیکن جب دونوں بھائی مع لشکر مجاہدین کے انگریزی عملداری میں پہنچے تو فوج نے اُن کا محاصرہ کر لیا، انگریز کمانڈر نے اس عہدنامہ کو اس دلیل سے کالعدم کر دیا کہ ان افسروں کو ایسا عہد کرنے کا اختیار نہ تھا اور اس کی تعمیل ہم پر ضروری نہیں۔ افسروں نے بجائے سوات کے اُن کو لاہور روانہ کر دیا۔

سر جان لارنس نے آپ کا استقبال کیا اور آپ کو اس پر آمادہ کیا کہ آپ وطن واپس جائیں اور تمام اسلحہ مع توپ خانہ گورنمنٹ کے ہاتھ فروخت کر دیں اور روہیلوں کو اُن کا بقایا دے کر رخصت کر دیں، چنانچہ اسی طرح آپ پٹنہ واپس تشریف لائے۔ جب یہ حضرات پٹنہ پہنچے تو پہلے حسب الحکم، کمشنر کی کوٹھی پر تشریف لے گئے، کمشنر نے آپ کو اطلاع دی کہ گورنمنٹ کا حکم ہے کہ آپ دونوں آدمیوں سے دو دو سو روپیہ کے مچلکے دو برس کے لیے لے لیے جائیں، آپ نے مچلکے داخل کیے، اس روز تمام شہر آپ کی مُلاقات کے لیے کمشنر کی کوٹھی پر ٹوٹ پڑا تھا، وہاں سے آپ مکان تشریف لائے اور بدستور سابق وعظ و نصائح تعلیم و تربیت ظاہری و باطنی میں مشغول ہو گئے۔

حضرتؒ کو ہندوستان واپس آنے کا بڑا رنج و ملال تھا، اکثر دوپہر کو اور راتوں کو آسمان کے نیچے کھڑے ہو کر سجدے میں سر رکھ کر نہایت بیقراری اور اضطراب کے ساتھ اس ملک سے نکلنے کی دعائیں کیا کرتے

تھے اور کبھی یہ شعر اپنے حسب حال ترنم فرماتے ؎

خدا کے واسطے اب کے نکالو مت گلستاں سے
مرا دامن بندھے تو باندھ دو گل کے گریباں سے

جب مچلکہ کی میعاد ختم ہونے میں چند مہینہ باقی رہے تو آپ نے اپنے دولت خانہ کو فرش فروش جھاڑ فانوس، شیشہ و آلات سے بہت آراستہ پیراستہ کیا، اصطبل میں عمدہ گھوڑے خرید کر باندھ دیے اور خوش رنگ کبوتر لے کر سے کبوتر خانہ سجایا، دیکھنے والوں کو یقین ہوتا تھا کہ اب آپ دنیا میں خوب پھنس گئے، اب کبھی اس مکان اور آرائش کو چھوڑ کر نہ جائیں گے۔ لیکن جب میعاد پوری ہو گئی تو آپ یک بیک ہاتھ جھاڑ کر کھڑے ہو گئے اور اپنے چند مخلص احباب کو ساتھ لے کر ہجرت کے ارادہ سے روانہ ہو گئے، لوگوں کو بعد کو خبر ہوئی تو بڑی تعداد میں آپ کے ہمراہ ہو گئے۔

راستہ میں ہدایت و ارشاد کرتے ہوئے ڈیڑھ برس کے عرصہ میں آپ دہلی پہنچے، ایک مہینہ قیام فرمایا، جمعہ کے دن کبھی جامع مسجد اور کبھی فتحپوری میں آپ کا وعظ ہوتا، لوگ دور دور سے آکر شریک ہوتے، بادشاہ (بہادر شاہ مرحوم) اور زینت محل کی طرف سے آپ کو دعوت کا پیام آیا، ان کے نہایت اصرار سے آپ لال قلعہ تشریف لے گئے، بادشاہ نے دیوانِ خاص میں اجلاس فرمایا اور تخت سے اتر کر لب فرش تک استقبال و معانقہ و مصافحہ کیا، اور فرش پر اپنے پاس بٹھایا، ریذیڈنٹ اور دوسرے امرا موجود تھے، مولانا نے اِنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ الآیۃ پر وعظ فرمایا اور دنیا کی بے حقیقتی اور بے ثباتی کا ایسا بیان کیا کہ سامعین کی آنکھوں میں دنیا اندھیری ہو گئی، وزیر اعظم نے جھک کر آپ کے کان میں کہا کہ دوزخ و عذاب کا بیان بادشاہ کے سامنے مت کیجئے، بادشاہ کو تکلیف ہو گی، یہاں دستور ہے کہ جو علماء وعظ کہتے ہیں وہ صرف جنت کا بیان کرتے ہیں، مولانا نے اس کی کچھ پروا نہ کی اور عذاب قبر، ہنگامۂ حشر اور دوزخ کا بیان اس صراحت کے ساتھ کیا کہ بادشاہ اور حاضرینِ مجلس زار زار رونے لگے، اثنا [illegible] بادشاہ نے کہا کہ میں نے بھی کچھ اشعار ترک دنیا میں کہے ہیں، مولانا نے فرمایا وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا، یہ بے ادبی ہے، بادشاہ چپ ہو گئے، بعد میں ان سے خود فرمائش کر کے شعر سنے، بادشاہ نے ریذیڈنٹ سے کہا کہ آپ کو قلعہ کی سیر کرایئے

جب تک آپ کا دہلی میں قیام رہا، بادشاہ خاطر و تواضع کرتے رہے۔ اس عرصہ میں ہر طبقہ کے صدہا لوگ بیعت و توبہ سے مشرف ہوئے، بادشاہ کی خواہش تھی کہ آپ رمضان قلعہ میں گزاریں اور تراویح میں سب لوگ شرکت کریں، لیکن ریذیڈنٹ لوگوں سے روز پوچھتا کہ مولوی صاحب کا کام کیا ہے؟ کہاں سے تشریف لائے کدھر کو جاتے ہیں؟ اس لیے مولانا نے زیادہ ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا اور دہلی سے کوچ کرکے لدھیانہ ہوتے ہوئے سٹھانہ پہنچ گئے۔ اس وقت مجاہدین کی یہ چھاؤنی ایک مدرسہ اور خانقاہ بن گئی۔

محرم ۱۲۶۹ھ میں آپ کو خناق کا مرض ہوا اور چونسٹھ ۶۴ برس کی عمر میں علم و عمل کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔

مولانا علیہ الرحمۃ کا پورا خاندان صادق پور سید صاحبؒ کے سچے معتقدوں اور اسلام کے پکے مجاہدوں کا خاندان تھا، جس کا بچہ بچہ سید صاحبؒ کی محبت میں چور اور اسلام کے لیے سر بکف تھا، ان لوگوں نے فرداً فرداً اور بحیثیت مجموعی سید صاحبؒ کی وفاداری اور اسلام کی جاں نثاری کا ایسا حق ادا کیا جس کی نظیر کسی دوسرے خاندان میں نہیں ملتی، مولانا عنایت علی صاحبؒ غازی، مولانا ولایت علی صاحبؒ، مولانا احمد اللہ صاحبؒ، مولانا یحییٰ علی صاحبؒ، مولانا فرحت حسین صاحبؒ میں سے ہر ایک اپنے وقت میں امام احمد بن حنبلؒ کا نمونہ تھا اور اس آیت کا صحیح مصداق:

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

پھر قبول کی اُن کی دُعا، اُن کے رب نے کہ میں ضائع نہیں کرتا محنت کسی محنت کرنے والے کی تم میں سے مرد ہو یا عورت، تم آپس میں ایک ہو پھر وہ لوگ کہ ہجرت کی ان لوگوں نے اور نکالے گئے اپنے گھروں سے اور ستائے گئے میری راہ میں اور مارے گئے، البتہ دُور کروں گا میں اُن سے بُرائیاں اُن کی اور داخل کروں گا اُن کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں، یہ بدلہ ہے اللہ کے یہاں سے اور اللہ کے

ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ (آل عمران)   یہاں سے اچھا بدلہ۔

اس موقع پر ہم مولانا یحییٰ علی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ پیش کرتے ہیں، جو قوتِ ایمان و استقامت کا ایک نادر نمونہ ہے اور جس سے مولانا ولایت علیؒ کی تعلیم و تربیت کے اثرات کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا یحییٰ علی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا یحییٰ علی صاحب پٹنہ میں ہندوستان کی جماعت مجاہدین کے امیر تھے اور سید صاحبؒ کے رنگ میں سرتاپا غرق اور آپ کی محبت میں سرشار تھے، مولانا عبدالرحیم صاحب صادقپوری نے "درِ منثور" میں آپ کے جیل کے جو حالات لکھے ہیں اُن سے آپؒ کی عظمت اور اس جماعت کی سیرت و اخلاق کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

"ہمارے حضرت مولانا کا صبر و استقلال اس وقت قابلِ دید تھا، شب کو آپ اور مَیں ایک ہی جگہ رہتے، آپؒ پچھلی شب حسب معمول نماز و دُعا وغیرہ میں مشغول رہتے اور اکثر اشعار عاشقانہ دیوان شاہ نیازؔ و حافظؔ وغیرہ کے پڑھتے اور ایک نہایت وجدی کیفیت آپ پر طاری ہوتی، ہم لوگ سب ہوش باختہ ہوتے اور آپ نہایت مسرور و خوش، آپ کے چہرہ بشرہ سے کچھ بھی آثار رنج و محن کے پائے نہیں جاتے، ذکر اللہ سے رطب اللسان رہتے، آپ اکثر اس شعر کو بھی جو حضرت خُبیب صحابی رضی اللہ عنہ کا ہے، مترنم ہوتے ؎

فلست ابالی حین اقتل مسلما　　علی ای شق کان فی اللہ مصرعی
وذٰلک فی ذات الالٰہ وان یشاء　　یبارک علی اوصال شلو ممزع

میرے پاس ایسے الفاظ نہیں ہیں کہ جن سے آپ کی کیفیت وجدی وصبروشکر کا ایک بھی بیان کرسکوں اور اس کی تصویر کھینچ کر ہدیۂ ناظرین کرنا تو یہ ایک امرِ محال ہے۔"

" چونکہ موسم نہایت گرم تھا، یہ ممکن نہ تھا کہ آدمی ایک ہفتہ سے زیادہ اس کوٹھری میں رہے اور پھر جانبر ہو، لہٰذا ڈاکٹر نے حکم دیا کہ کوٹھری کا دروازہ کھلا رہے اور ایک پہرہ سپاہی کا خاص اس دروازہ پر متقرر ہو کہ یہ لوگ کوٹھری سے قدم باہر نہ لاسکیں، چنانچہ ہمارے حضرت اس قیدِ تنہائی میں پھر تخمیناً دو ڈھائی مہینے رہے اور نہایت صبر و استقلال کے ساتھ اُن ایام کو آپ نے بسر کیا اور جب کوئی سپاہی پہرے والا یا اور کوئی سپاہی یا قیدی آپ کے سامنے آجاتا ہندو یا مسلمان، سب کو آپ توحیدِ باری کا وعظ سُناتے اور عذابِ آخرت و قبر وغیرہ سے ڈراتے۔ الغرض ایک عجیب طرح کا فیض آپ کا اُس قیدِ تنہائی میں بھی جاری رہا، سپاہی جو پہرے کے واسطے آتا وہ سکھ ہوتا یا گورکھا اور مسلمان نہ ہوتا، آپ اس آیۂ کریمہ کا وعظ سُناتے۔ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ، سپاہی کھڑا روتا اور جب اس کے پہرے کی بدلی ہوتی تو اس صحبت کو چھوڑ کر جانا پسند نہیں کرتا، میں کچھ لکھ نہیں سکتا کہ کس قدر فائدہ اُس وقت پہرے والوں کو پہنچا اور کتنے مؤحّد ہوگئے اور کتنے دینِ آبائی کو چھوڑ کر مسلمان ہوگئے۔ لا یعلمہ الا اللہ، آپ کا فیض کبھی کسی حالت میں بند نہ ہُوا آپ کا جسمِ مبارک قیدی تھا مگر آپ کے دل و زبان آزاد تھے، اس پر کسی کی حکومت نہ تھی۔ بجز اس حاکمِ حقیقی کے۔ اگر دو منٹ کے واسطے بھی کوئی آدمی سامنے آجاتا آپ امر بالمعروف و نہی عن المنکر بجالاتے۔

بعد اس کے حکمِ پھانسی منسوخ ہُوا اور حکمِ دوامِ حبس بعبورِ دریائے شور، مع ضبطی جائداد، ان تینوں پھانسی والوں کے واسطے بھی صادر ہُوا اور یہ لوگ قیدیوں

میں ملا دیے گئے اور حسب دستور اس جیل کے جیسے ہم لوگوں کی ڈاڑھی منڈا دی گئی تھی، ویسا ہی آپ کی ڈاڑھی منڈا دی گئی اور ایک کرتا کمر تک گیروا رنگا ہوا اور ایک ٹوپی کان ڈھپی گیروا رنگی ہوئی پہنا دی گئی، یہ جوگیانہ لباس اس جیل میں قانوناً ہر ایک کو دیا جاتا تھا، اس کی صبح کو کپتان ٹائی صاحب مجسٹریٹ ڈپٹی کمشنر انبالہ و پارسن صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس جیل میں آئے اور داروغہ کو حکم دیا کہ مولانا سے سخت تر مشقت لی جاوے، چنانچہ خود اس نے اپنے روبرو کھڑے ہو کر ایک بڑے کنویں پر جو رہٹ چل رہا تھا عین تمازتِ آفتاب میں اس رہٹ کو آٹھ دس قیدی چلا رہے تھے اور وہ بمشکل چلتا تھا، آپ کو بھی اس میں دے دیا، آپ دو تین روز تک تمام روز اس کو چلاتے رہے آپ کو بباعث حرارتِ آفتاب خون کا پیشاب آنے لگا، آپ نہایت صبر و شکر سے اس کو انجام دیتے رہے، دوسرے قیدی جو نہایت قوی و توانا تھے، اس رہٹ کو کھینچتے کھینچتے بیٹھ جاتے مگر آپ صبح سے شام تک اس میں لگے ہی رہتے، چونکہ اس وقت ڈاکٹر صاحب موجود نہ تھے مجسٹریٹ صاحب نے یہ کارروائی اپنے دل کا غصہ نکالنے کو کر لی، جب ڈاکٹر صاحب دو تین روز کے بعد جیل میں تشریف لائے اور نو آمد قیدیوں کا ملاحظہ کیا، جناب مولانا کو رہٹ کے کام میں دیکھ کر داروغہ پر نہایت خفا ہوئے کہ اس کو یہاں کیوں لگایا ہے، داروغہ نے عرض کیا کہ مجسٹریٹ صاحب خود تشریف لا کر لگا گئے ہیں، چونکہ ڈاکٹر کو مجسٹریٹ سے چشمک تھی، فی الفور آپ کو وہاں سے چھڑا کر برعکس اس کے نہایت آسان کام میں لگا دیا یعنی دری بافی کے کارخانہ میں چھت کے نیچے دری کا سوت کھولنے کا کام آپ کو دیا گیا، آپ حمد و ثنائے باری میں شب و روز مصروف رہتے اور کام مفوضہ سرکاری کو بھی باحسن وجوہ انجام کر دیتے، مثل اور قیدیوں کے تساہل و تکاہل کو کام میں نہ لاتے اور دوسرے قیدیوں کو بھی نصیحت فرماتے کہ جب

تم سرکاری کھانا کھاتے ہو اور کپڑا پہنتے ہو اور مکان میں رہتے ہو، تب ضرور ہے کہ سرکاری کام انجام دو اور قیدی لوگ جو جیل کے اندر حکم عدولی اور بدمعاشی وغیرہ کرتے اُس سے اُن کو روکتے اور نصیحت کرتے، صدہا قیدی اس جیل میں ایسے نیک چلن ہوگئے کہ جس کو دیکھ کر داروغہ وغیرہ اہل کارانِ جیل حیران رہ جاتے۔"

ہمارے حضرت نہایت باطمینانِ قلب، نہایت خنداں و شاداں و فرحاں یادِ الٰہی میں اور لوگوں کو استقامت دلانے میں شب و روز مصروف رہتے، دُنیائے دوں کی بے ثباتی اور اُس کے راحت و آرام کی بیقراری اور ثوابِ آخرت اور جنتِ نعیم کی پائداری یاد دلاتے اور "رضوانٌ من اللہ اکبر" کو خوب کھول کر فرماتے، اس وقت کی کیفیت آپ کی قابلِ دید تھی، قلم کو جو ایک کاہِ خشک ہے کہاں وہ طاقت کہ جو اس کو بیان کر سکے، فقیر مؤلف بھی اس زلزلہ میں گرفتار تھا، آپ کے قدموں کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے بچا لیا کہ اغوائے شیطانی سے محفوظ رہ کر بیہودہ گوئی و ہفوات بکنے سے رُکا رہا اور مغاکِ ہلاک میں نہ گرا، فللّٰہ الحمد علی ذلك۔ اگر آپ کا ساتھ نہ ہوتا تو ایسے مہالک سے بچنا متعسر بلکہ محال تھا، صبر و استقلال تو مجھ ایسے نالائق کو کہاں میسر، یہ تو بہت بڑے لوگوں کا کام ہے، صرف اس قدر کہ زبان ناپاک باتوں سے بچی رہی، ہزار ہزار شکر اس قادرِ مطلق کا ہے اس وقت ایک اور امتحان اس نالائق پر خاص کر کے آیا کہ کمشنر صاحب و ڈپٹی کمشنر صاحب کی خواہش ہوئی کہ بذریعہ کمترین مولوی عبداللہ ساکن افغانستان سے پیغامِ مصالحت کیا جائے کہ جن سے مقام انبیلہ وغیرہ سرکار سے جنگ ہوئی تھی اور وہ اس کمترین کے چچازاد بھائی تھے، اسی حالت میں قیدیوں کی چالان انبالہ سے لاہور جانے کو تیار کی گئی اس میں جناب حضرت مولانا و منشی محمد جعفر صاحب وغیرہ کل تیار کر لیے گئے مگر محمد شفیع و عبدالکریم و الٰہی بخش جو بوجہ گواہی ہم لوگوں سے علیحدہ

کر لیے گئے تھے رکھ لیے گئے اور یہ فقیر بھی بوجہ کارروائی ضلع روک لیا گیا اور نیز میں تنفس سخت میں اس وقت مبتلا تھا کہ لیاقت سفر مطلق نہ تھی، اس وجہ سے بھی ڈاکٹر نے مجھے روک لیا اور جناب حضرت مع چھ آدمیوں کے روانہ جیل لاہور کیے گئے، اب اس وقت سے عرصہ دو سال تک میں صحبت کیمیا خاصیت سے اپنی بداعمالیوں کے سبب مہجور کر دیا گیا، اب جو کچھ میں بیان کروں گا، ان دو سالوں کی کیفیت، وہ سنی ہوئی ہوگی۔

الغرض آپ انبالہ سے روانہ ہو کر مع دوسرے ستر پچھتر قیدیوں کے جیل لاہور میں پہنچے اور وہاں قریب ایک برس کے آپ کا قیام رہا اور اس اثنا میں برابر قیدیوں کو آپ پند و نصائح کیا کرتے، چونکہ قید خانہ میں مجمع بدکاروں اور چور ڈاکو وغیرہ کا رہا کرتا ہے، آپ کا وعظ بھی انھیں افعالِ ذمیمہ کے بیان میں ہوتا اور توحید و تاکید صوم و صلوٰۃ کی ہوتی، صدہا چور اور ڈاکوؤں نے توبہ کی کہ اب کبھی اس پیشہ کو نہ کریں گے، آپ اُن کو عذاب دائم مقیم سے ڈراتے، صدہا موحد اور نمازی ہو گئے، ایک بلوچ ڈاکو کا ماجرا بیان کیا جاتا ہے، اس کا نام مرزی تھا، اس کے آبا و اجداد سے چوری اور ڈکیتی کا پیشہ چلا آتا تھا، وہ نہایت قوی ہیکل جوان تھا، اس نے جیل خانہ میں آکر بھی بہت کچھ شرارت کی تھی، سرکاری کام ہرگز نہیں کرتا، صدہا بید اُس کو لگائے گئے مگر اُس نے اُف نہیں کیا، اپنی بدچلنی سے باز نہیں آیا، بیڑی اور ڈنڈا بیڑی، ہتھکڑی اور طوق و قیدِ تنہائی وغیرہ جو کچھ سزا وہاں ہے وہ سب اُس پر عمل میں لایا گیا لیکن وہ باز نہ آیا، داروغہ و جمعدار سب اُس سے ڈرتے وہ اُن کو بھی موقع پا کر ہتھکڑی سے پیٹ دیتا، خدا کے حکم سے آپ کا بستر اور اُس کا ایک ہی جگہ ہو گیا، خدا کی قدرت کہ آپ کی نصیحت و پند سے تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی کیفیت بدل گئی، اُس نے سرکاری

مشقت کرنی شروع کر دی اور ایسا نیک چلن بن گیا کہ داروغہ وغیرہ سب متحیر ہو گئے، ہتھکڑی اور طوق وغیرہ سب اُس سے دُور کر دیے گئے اور پارچہ بافی کے کارخانہ میں وہ داخل کر دیا گیا کہ جہاں دائم الحبس اور بڑے بڑے میعادی قیدی کام کیا کرتے تھے اور عمدہ کام کرنے اور زیادہ کام کرنے پر سال میں دو ایک ماہ قید معاف بھی ہلا کرتی ہے، اس نے وہاں جا کر بہت جلد پارچہ بافی کا کام سیکھ لیا اور نہایت عمدہ کپڑا بُننے لگا، میں جب لاہور کے جیل میں گیا، خود میں نے اس مرزی بلوچ کو دیکھا کہ وہ پانچوں وقت نماز قید کے ساتھ پڑھتا اور اپنے گزشتہ اعمال کو یاد کرکے خوف خدا سے اکثر روتا، اے بھائیو! میں سچ کہتا ہوں کہ جب میں نے اُس کو دیکھا ایک ولی پایا۔

اس قسم کے اور بہت سے ماجرے ہیں، میں نے یہ ایک تمثیلاً بیان کیا، الغرض آپ کا وجود باجود اُس قید خانہ میں واسطے ہدایت قیدیوں کے بھیج دیا گیا تھا کہ ہزاروں فیضیاب ہو گئے، اہلکارانِ جیل اس کرامات کو آپ کے دیکھ دیکھ کر نہایت متحیر و متعجب ہوتے، تمام ہندو آپ کو دیوتا اور اوتار کہتے اور مسلمان ولی سمجھتے، اتوار کا روز جو فرصت کا قیدیوں کا ہوتا، فجر کو بعد ملاحظہ ڈاکٹر آپ کے پاس مجمع ہو جاتا آپ حسب حال ان قیدیوں کے بدکاریوں سے بچنے کا اور نیک چلنی اور توحید الٰہی کا بیان فرماتے، بعد اس کے آپ مع دوسرے قیدیوں کے لاہور سے بسواری ریل روانہ ملتان ہوئے، وہاں ہفتہ عشرہ قیام کرکے بسواری مرکب دُخانی روڑی بھکر سکھر جو ملک سندھ میں واقع ہے ہوتے ہوئے کوٹلی پہنچے اور وہاں سے بذریعہ ریل کراچی بندر اور وہاں ہفتہ عشرہ قیام کرکے بسواری مرکب دخانی براہِ سمندر بمبئی پہنچے اور وہاں سے بسواری ریل بمقام تھانہ (جو ایک شہر کا نام ہے) اور وہاں بہت بڑا قلعہ جو مرہٹوں کا بنایا ہوا ہے اور اب وہ جیل کا کام دیتا ہے، اُس میں بھیج دیے گئے، وہ نہایت سخت جیل ہے کہ دوسرے جیلی اس سے زیادہ پناہ

مانگتے ہیں. وہاں کے اہلکار جیلر وغیرہ قسوتِ قلبی میں دوسرے جیلوں کے نسبت بڑھا
زیادہ، تمام احاطہ بمبئی و پنجاب کے شریر ترین قیدی اُس جیل میں بھیج دیے جاتے ہیں
آپ ہر جگہ اپنا کام کرتے رہے، چند مہینوں تک آپ کا قیام وہاں رہا، آپ کا فیض
بدستور وہاں بھی جاری رہا، بعد اس کے آپ آٹھویں دسمبر ۱۸۶۵ء کو بسواری جہاز
بادبانی مع دیگر قیدیوں کے روانہ پورٹ بلیر انڈمان ہوئے اور صعوبات و تکلیفات جہاز
کو طے کر کے بتاریخ گیارہویں جنوری ۱۸۶۶ء آپ داخلِ جزیرۂ انڈمان ہوئے، بعد
اس کے جناب منشی محمد اکبر زماں صاحب نے جن کے اوصافِ حمیدہ اور شریف پڑھی
اُوپر بیان ہو چکی ہے، آپ کو اپنے مکان میں لے جا کر رکھا اور باجازت چیف کمشنر صاحب
اپنی تائید میں لے لیا، چونکہ جناب منشی صاحب کو کام بہت سپرد تھے، اکثر فرصت
کے وقت میں آپ مکان پر بھی سرکاری کام کیا کرتے تھے لہٰذا جناب مولانا کو حاضری کچہری
سے بچا کر اسی مد میں داخل کیا۔ اب دونوں حضرات یعنی جناب مولانا احمد اللہ و مولانا
یحییٰ علی رحمۃ اللہ علیہما ایک ہی جگہ جمع ہو گئے اور میاں عبد الغفار صاحب کو بھی منشی
صاحب ممدوح نے نمبر سازی سکھا کر ان کو بھی اپنے ہی مکان میں جگہ دی، بالجملہ یہ تینوں
شخص ایک ہی مکان میں رہنے لگے، جناب مولانا کا کام یہ تھا کہ بعد فرصت از کارِ
سرکار لوگوں کو قرآن و حدیث پڑھاتے نصیحت کرتے، گھر گھر پھرتے، عورتوں کو نماز
کی تعلیم کرتے، قرآن پڑھاتے، صدہا مرد و عورت کہ جنھوں نے اپنے معبودِ حقیقی کے سامنے
سر نہ جھکایا تھا، پکے نمازی بن گئے، اسی اثنا میں یہ کمترین بھی بعد مہاجرت دو برس کے
پورٹ بلیر پہنچ گیا اور تقریباً تین چار مہینے آپ کی حضوریِ خدمت سے پھر مشرف
ہُوا، دو برس آپ وہاں اپنی عُمرِ عزیز کو یادِ خُدا و تعلیم و تلقین خلق اللہ میں صرف کر کے
بتاریخ بیسویں فروری ۱۸۶۸ء کو لبیک کہتے ہوئے داخلِ خلدِ بریں ہُوئے۔"

اہلِ صادق پور، فَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ کے پورے مصداق تھے، مقدمہ سازش میں حکومت نے ان کے مکانات مسکونہ تک مسمار کر دیے اور صادق پور کا وہ محلہ جہاں محل کھڑے تھے کف دست میدان بنا کر اور مکانوں پر ہل چلوا کر بلدیہ کی عمارت بنوا دی اور قدیم تعمیر کی ایک یادگار، اور ایک ایک نشان مٹا دیا، قبریں بھی مشتبہ کہہ کر کھود کر پھینک دیں حتیٰ کہ کھجور کا ایک درخت رہ گیا تھا جو اس چمن خزاں دیدہ کی یادگار تھا اُس کو بھی اکھڑوا دیا، مولانا یحییٰ علی صاحب علیہ الرحمۃ کو جب اُن کے مکان کے کھدنے کی اطلاع انڈمان میں ہوئی تو آپ نے اپنی اہلیہ کو ایک خط لکھا اس کا کچھ مضمون جو اس واقعہ سے متعلق ہے نقل کیا جاتا ہے:

"ضروری لکھنا یہ ہے کہ خط سے نورِ چشم محمد حسن مدّ عمرہ کے حال انہدام دونوں مکانوں کا معلوم ہوا۔ البتہ دل کو قلق ہوا اور صدمہ بہت گزرا، کیونکہ مکان سکونت قدیم سے خصوصاً وہ مکان جس میں ذکر اللہ بہت ہوا ہوا اور کاروبار فریضہ (فرضیہ) بہت اجرا پائے ہوں، مومنین کو اُن سے محبت بطور اہل و عیال کے ہوتی ہے، اسی روز شب کو زیارت روحِ انور محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مشرف ہوا، تبسّم کناں فرمانے لگے کہ البتہ انہدام سے مکان کے مالکان مکان کو خصوصاً نسواں کو رنج و الم بہت ہوا ہے اور ہونے کی وجہ ہے اور ان آیاتِ کریمہ کو زبان مبارک سے ارشاد فرمایا، وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ ۟ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ ۝ عَسٰی رَبُّنَآ اَنْ یُّبْدِلَنَا خَیْرًا مِّنْھَآ اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ۝ اور فرمایا کہ ان آیاتِ کریمہ کو وردِ زبان رکھو — عبادت خانے اور مسجدِ اقصیٰ اور مکانات انبیاءؑ بخت نصر اور جالوت کے ہاتھ سے انہدام پائے تھے، آخر منہدم کرنے والے نسیاً منسیا ہوئے اور یہ اماکن متبرکہ از سرِ نو بنا ہوئے اور پہلے سے زیادہ آباد ہوئے۔ تم بھی اپنے رب کے فضل سے ایسا ہی امید رکھو، عنقریب یہ

بشارتیں ہونے والی ہیں، اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ دشمنانِ خدا ان کے دوستوں کو اچھی طرح ستالیں۔ بعد اس کے اس کا اچھی طرح بدلہ پاویں (دشمنانِ خدا منافقین ہیں وہ حکام سے جھوٹی جھوٹی باتیں مسلمانوں کے حق میں لگاکے ان کو ایذا دیتے ہیں) اللہ تعالیٰ کا بہت شکر کرو کہ تم ایسے امتحانوں کے لائق ٹھہرے، بعد اس کے فرمایا کہ اس مکاشفہ کو بعینہٖ اُمّ یوسف کے پاس لکھ بھیجو کہ سب نسوان و مالکانِ مکان کو سُنادے اور رجال مالکانِ مکان بھی اس کو دیکھیں اور یہ غفلت کو کانوں سے نکالیں۔ اس کے بعد دیر تک ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی، اور تشریف لے گئے۔"

اہلِ صادق پور کی جدّ و جہد اور تنظیمِ جماعت

مسلمانوں کی عظیم الشّان تنظیم

سیّد صاحبؒ کی شہادت کے بعد جماعت کے باقی ماندہ لوگ ستھانہ چلے گئے تھے، جہاں انھوں نے اپنا مرکز قائم کر لیا۔ ہندوستان میں اس عظیم الشان تحریکِ جہاد، اصلاح و تنظیم کا مرکز عظیم آباد پٹنہ اور اس کا محلہ صادق پور تھا، سیّد صاحبؒ نے میدانِ جنگ سے دو بزرگوں مولانا سیّد محمد علی صاحبؒ رامپوری اور مولانا ولایت علی صاحبؒ عظیم آبادی کو تبلیغ و اصلاح کے لیے ہندوستان روانہ کیا تھا، مولانا ولایت علی صاحب ۱۲۴۶ھ میں حیدر آباد میں تھے کہ بالاکوٹ کے حادثہ کی اطلاع ہوئی، سیّد صاحبؒ کے خلفاءِ عظام میں اب صرف آپ کا اور مولانا محمد علی صاحب کا دم باقی تھا، مولانا محمد علی صاحب مدراس میں تھے اور سارا بار آپ پر تھا، آپ نے پٹنہ آ کر کام اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنی مسیحانفسی، روحانیت، تنظیمی قابلیت اور جد و جہد سے پژمردہ جسموں اور مُردہ دلوں میں رُوح پھونک دی، لوگوں سے از سرِ نو بیعت لی، بیت المال قائم کیا، مرکزی مساجد میں خطیب اور واعظ مقرر کیے، بنگال اور دوسرے صوبجات و اقطاع میں اپنے مبلغ بھیجے، قصبات و دیہات کی اصلاح و ہدایت کے لیے لوگ مقرر کیے، مجمعوں اور میلوں میں وعظ شروع کیا، گاؤں گاؤں دیہات دیہات دورہ کیا، اکثر آپ کو اپنے مرکز و مقام میں پہنچنے میں مہینوں اور برسوں لگ جاتے، درس، تزکیہ، اصلاح و تربیت کے مشاغل سفر و حضر میں جاری رہتے، آپ کا مکان اور پورا محلہ ایک معمور درسگاہ

ایک آباد خانقاہ اور ایک منظم تربیت گاہ تھی، اس تمام مدت میں اس مرکز کا تعلق سرحد کے مرکز سے قائم رہا۔ اور وقتاً فوقتاً آپ کے اعزہ وتلامذہ وہاں کے کاموں میں شریک ہوتے رہے۔ دو مرتبہ آپ خود تشریف لے گئے اور ۱۲۶۹ھ میں وہیں انتقال فرمایا۔

آپ کے بعد اور آپ کی زندگی میں آپ کے جانشین واعزہ مولانا فرحت حسین صاحبؒ، مولانا احمد اللہ صاحبؒ اور مولانا یحییٰ علی صاحبؒ نے پورے انہماک اور قابلیت سے یہ خدمات انجام دیں اور ایک منظم سلطنت کی طرح اس نظام کو چلایا، یہ نظام اپنی وسعت و استحکام مبلغین کی سیرت واخلاق اور جوش و ایثار میں ایک بے نظیر نظام تھا جس کی مثال مسلمانوں کے داخلۂ ہند سے لے کر اس وقت تک ہم کو ہندوستان کی تاریخ میں نہیں ملتی، اس کا کچھ اندازہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے ہوگا۔

اس جماعت و تحریک کا سب سے بڑا دشمن ڈاکٹر سر ولیم ہنٹر اپنی کتاب "مسلمانانِ ہند" میں لکھتا ہے:

"یہ لوگ مشنریوں کی طرح انتھک کام کرتے تھے۔ وہ بے لوث و بے نفس لوگ تھے جن کا طریقِ زندگی ہر شبہ سے بالاتر تھا اور روپیہ اور آدمی پہنچانے کی انتہائی قابلیت رکھتے تھے، ان کا کام محض تزکیۂ نفس اور اصلاحِ مذہب تھا۔"

میرے لیے ناممکن ہے کہ میں عزت و عظمت کے بغیر ان کا ذکر کروں، ان میں سے اکثر نہایت مقدس و مستعد نوجوانوں کی طرح زندگی شروع کرتے تھے اور اُن میں سے بہت سے اخیر تک مذہب کے لیے اپنی جانفشانی اور جوش قائم رکھتے۔ جہاں تک مجھے تجربہ ہے یہ یقینی ہے کہ وہابی مبلغین سب سے بڑے روحانی اور کم سے کم خود غرض نوع کے لوگ ہیں۔"

مولانا یحییٰ علی صاحب عظیم آبادیؒ کے متعلق لکھتا ہے:

"امیر جماعت یحییٰ علی کے مختلف فرائض تھے وہ ہندوستان میں فرقہ کے روحانی رہنما کی حیثیت سے تمام جماعتی مبلغین سے خط و کتابت رکھتے تھے اور انھوں نے

ایک اصطلاحی زبان میں چند مبہم عبارتیں ترتیب دی تھیں جن کو وہ خود استعمال کرتے تھے اور جن کے ذریعہ وہ اطمینان سے بڑی بڑی رقمیں سلطنت کے مرکز سے سرحد پار باغیوں کے کیمپ (ستھانہ) بھیجتے تھے، وہ مسجدوں میں وعظ و تقریر کرتے اور مذہبی دیوانوں کی فوج کو بندوقیں جانچ کر بھیجتے، طلبا کو رُوحانی اور دینی درس و تعلیم دیتے اور انھوں نے اپنے ذاتی مطالعہ سے عربی کے علما و مصنفین سے اعلیٰ واقفیت پیدا کرلی تھی۔

لیکن اس سازش کا سب سے بڑا نازک کام ٹینیہ یا بالفاظ خود "چھوٹی خانقاہ" سے سرحد پار باغیوں کے مرکز بڑی خانقاہ کو رنگروٹ بھیجنا تھا، بنگالی متبعین کو راستہ میں صدہا بے تکے اور پریشان کُن سوالات کا جواب دینا پڑتا تھا، اس کو پنجاب اور شمال مغربی ہندوستان کے وسیع صوبوں میں سے ہو کر تقریباً دو ہزار میل سفر طے کرنا ہوتا تھا، جہاں ہر گاؤں میں اس کی جسمانی شکل اور زبان اس کو اجنبی ثابت کرتی تھی، اس خطرناک کام میں یحییٰ علی ہی کی ذہانت اور انتظامی قابلیت کام کر رہی تھی، انھوں نے تمام راستہ پر اپنے وہابی پیرو متعین کر دیے تھے جو جماعت کے معتبر اشخاص کے ماتحت تھے، یحییٰ علی کی مردم شناسی اور حسن انتخاب قابل داد ہے کہ اُن کے انتخاب کیے ہوئے آدمیوں میں سے ایک شخص کو بھی پکڑے جانے کا خوف و خطرہ، شناخت ہو جانا، انعام کا لالچ اپنے رہنماؤں اور پیشواؤں کے خلاف آمادہ نہ کر سکا۔"

اس تنظیم کی وُسعت اور جماعت کی سیرت کے متعلق بنگال کے کمشنر پولیس کی یہ شہادت پڑھنی چاہیے

"اس جماعت کے ایک ایک مبلغ کے پیرو اسّی اسّی ہزار ہیں جن میں آپس میں مکمل مساوات ہے، جن میں ہر ایک دوسرے کے کام کو اپنا ذاتی کام سمجھتا ہے اور مصیبت کے وقت کسی بھائی کی مدد میں اس کو کسی بات سے عذر نہیں ہوتا۔" [1]

[1] "مسلمانانِ ہند" ڈاکٹر ہنٹر، خطوط ۱۰۰ مورخہ ۳۰ مئی ۱۸۶۳ء دنمبر ۵ ۱۸۴۷ء

"مشرقی بنگال میں ہر ضلع بغاوت کے رنگ میں رنگ گیا تھا اور پٹنہ سے سمندر تک گنگا کے تمام راستہ میں مسلمان کسان باغیوں کے مرکز کے لیے ہفتہ وار امداد دیتے تھے"

اس تحریک و تبلیغ سے عام مسلمانوں میں جہاد کا جو جذبہ اور ولولہ پیدا ہو گیا تھا اس کی مثال کم سے کم ہندوستان میں اس سے پہلے اور اس کے بعد نہیں ملتی، ڈاکٹر ہنٹر لکھتا ہے :

"صوبہ متحدہ کے ایک انگریز کارخانہ دار نیل کا بیان ہے کہ دیندار مسلمان ملازم اپنی تنخواہ یا مزدوری کا ایک جزو ستھانہ کیمپ کے لیے علیحدہ کر کے رکھ لیتے تھے، جو لوگ زیادہ جری تھے وہ تھوڑے بہت زمانہ کے لیے ستھانہ جا کر خدمت کرتے تھے، جس طرح ہندو ملازم اپنے بزرگوں (بڑھوں) کے شرادھ کے لیے چھٹی مانگتے تھے۔ اسی طرح مسلمان ملازم یہ کہہ کر چند ماہ کی رخصت لیتے تھے کہ انھیں فریضۂ جہاد ادا کرنے کے لیے مجاہدین کے ساتھ شریک ہونا ہے"۔

"کوئی وہابی باپ اپنے کسی غیر معمولی دیندار بیٹے کے متعلق نہیں کہہ سکتا تھا، کہ وہ کس وقت (جہاد کے لیے) اس کے گھر سے غائب ہو جائے"۔

مسٹر جیمس اوکینلی لکھتا ہے :

"کمزور و بزدل بنگالی مسلمان، خونخواری اور جوشِ جہاد میں افغانوں سے کم نہ تھے"۔

جماعت کے نظام کا حال مندرجہ ذیل اقتباس سے معلوم ہوگا، ڈاکٹر ہنٹر اس جماعت کے ایک رکن کے متعلق لکھتا ہے :

"اس کا تحصیل عشر و زکوٰۃ کا طریقہ بہت سادہ اور مکمل تھا، اس نے مالگزاری کی حیثیت سے متعدد گاؤں مجموعوں میں تقسیم کر دیئے تھے، ہر مجموعہ پر ایک خاص محصل مقرر تھا، یہ افسر اپنی جگہ پر ہر دیہات کے لیے ایک تحصیلدار مقرر کرتا تھا، آئی ہوئی رقوں کو وہ جا پہنچا تا اور ضلع کے مرکز کو بھیج دیتا۔ قانوناً ہر دیہات میں ایک محصل مقرر تھا لیکن

جن دیہاتوں میں آبادی زیادہ تھی وہاں اس کام کے لیے ایک عملہ رکھنا پڑتا تھا جن میں کچھ
دین کے سردار ہوتے تھے جو نماز پڑھاتے تھے اور چندہ وصول کرتے تھے، کچھ عام منتظم
"دُنیا کے سردار" ہوتے تھے جو جماعت کے دُنیاوی امور کا انتظام کرتے تھے اور ایک افسر
جو خطرناک خطوط اور بغاوت کے پیغامات پہنچاتا تھا۔"

حکومتِ برطانیہ کی مخالفت

گزشتہ ابواب سے واضح ہو چکا ہے کہ سیّد صاحبؒ کی تحریک ایک مستقل جہاد و اصلاح کی تحریک
تھی، ناگزیر حالات کی بنا پر اُس کا رخ ابتدا میں سکھوں کی طرف تھا لیکن اس کے مکمل پروگرام کا علم جماعت کے مخصوص
لوگوں کو تھا جو اسلامی غیرت و فراست ایک صوبہ میں غیر اسلامی اقتدار گوارا نہ کر سکی، وہ اس کو پورے ملک میں کس
طرح گوارا کر سکتی تھی لیکن ہر صاحب بصیرت کہے گا کہ واقعات و اقدامات کی یہی طبعی اور مناسب ترتیب تھی، جو
ظہور میں آئی۔

کیپٹن کننگھم تاریخ ہند میں لکھتا ہے:

"سیّد احمد صاحبؒ کے عمل سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کافروں سے مُراد
صرف سکھ تھے لیکن اُن کے صحیح مقاصد پورے طور پر نہیں سمجھے گئے، وہ انگریزوں پر حملہ
کرنے میں ضرور محتاط تھے لیکن ایک وسیع اور آباد ملک پر ایک دُور دراز کی قوم کا اقتدار
ان کی مخالفت کے لیے کافی سبب تھا۔"

انگریزوں نے جب پنجاب فتح کیا تو مجاہدین کا رُخ ان کی طرف پھر گیا، مولانا ولایت علی صاحبؒ اور
اُن کی جماعت نے حالات کے تغیّر اور خطرہ کا احساس کیا اور شروع سے اپنے دائرۂ عمل کو وسیع رکھا۔

ہنٹر لکھتا ہے:

"مجاہدین کی ضرب سکھوں کے دیہاتوں پر شدید تھی، لیکن وہ انگریز کافروں پر

ضرب لگانے کے ہر موقع کا بڑی خوشی سے خیر مقدم کرتے تھے، انھوں نے کابل کی جنگ میں ہمارے دشمنوں کی مدد کے لیے ایک بڑی قوت بھیجی اور ان میں سے ہزار ایک ہمارے مقابلہ میں موت تک جمے رہے، صرف غزنی کے سقوط میں اُن کے تین سو آدمیوں نے انگریزی سنگینوں سے شہادت کی خوشی حاصل کی:

" پنجاب کے الحاق کے بعد جو غصہ پہلے سکھوں پر اُترتا تھا، اب ان کے جانشینوں (انگریزوں) پر اُترنے لگا"

ہندوستانی مجاہدین کے متعلق ہنٹر لکھتا ہے:

" اُن کی تبلیغ تھی کہ غیر اسلامی اقتدار کے ماتحت مسلمانوں کی زندگی گزارنے کی شرعاً اجازت نہیں، جہاں غیر مسلم کی حکومت ہو وہاں صرف دو صورتیں ہیں، اگر قدرت ہو تو جہاد ورنہ ہجرت، اس کے سوا کوئی صورت نہیں"

ڈاکٹر ہنٹر کا بیان ہے (جس سے اس کی ساری کتاب رنگی ہوئی ہے) کہ جماعت کے مبلغین اور پٹنہ کے پیشوا حکومتِ ہند کے خلاف علانیہ تبلیغ جہاد کرتے تھے۔

حکومتِ ہند کے انتظامات

ڈاکٹر ہنٹر لکھتا ہے:

" ۱۸۴۷ء میں سر ہنری لارنس نے یہ کارروائی قلبند کی کہ مولانا ولایت علی اور عنایت علی پنجاب میں "غازیٔ دین" اور مجاہدِ اسلام کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان کو اپنے مکانوں میں نظر بند رکھا جائے، پٹنہ کے مجسٹریٹ نے اُن سے ضمانت لی اور جماعت کے دُوسرے بہت سے دولتمند ارکان سے بھی "نیک چلنی" کے مچلکے لیے۔

لیکن ۱۸۵۰ء میں اُن کو جنوبی بنگال کے ضلع راج شاہی میں بغاوت کی تبلیغ کرتے ہوئے پایا جاتا

ہے، جہاں اُن سے حفظِ امن کی ضمانتیں لی گئیں اور دوبارہ تبلیغ کرنے کی وجہ سے اُن کا دو مرتبہ ضلع سے اخراج ہوا۔ ۱۸۵۱ء میں سید صاحبؒ کے یہی خلفا جو اپنے شہر میں نظر بند تھے۔ سرحد پر بغاوت پھیلانے کی تبلیغ کرتے ہوئے پٹنہ میں پائے گئے۔ ۱۸۵۲ء میں اُن کو اپنی تجویز میں بہت کچھ کامیابی ہوئی، آدمی اور روپیہ ستھانہ کیمپ کثرت سے بھیجے گئے اور پنجاب کے حکام نے ہماری فوجوں سے اُن کی ایک باغیانہ خط و کتابت پکڑی، ان کے پیشواؤں نے ہماری چوتھی فوج سے سازباز کرنے کی بڑی مشاقی سے کوشش کی جو راولپنڈی میں باغیوں کے کیمپ سے بہت قریب ٹھہری ہوئی تھی اور اس رجمنٹ کا جُز تھی جو ہمارے صوبہ پر حملہ کرنے کی وجہ سے اُن کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے بھیجی گئی تھی۔ خطوط سے ثابت ہوتا تھا کہ بنگال سے باغیوں کے کیمپ کو آدمی اور اسلحہ بھیجنے کے لیے ایک باقاعدہ ادارہ قائم ہے، اسی زمانہ ۱۹، اگست ۱۸۵۲ء میں پٹنہ کے مجسٹریٹ نے رپورٹ کی کہ باغی جماعت اور باغیانہ خیالات ترقی پر ہیں۔ انگریزی صوبہ کے اس دارالسلطنت (پٹنہ) کے خاص باشندے علانیہ بغاوت کی تبلیغ کرتے ہیں، پولیس بھی اُن سے ملی ہوئی ہے اور اُن کے ایک سردار (مولوی احمد اللہ صاحبؒ) نے اپنے مکان میں سات سو آدمیوں کے ایک جلسہ میں اعلان کیا کہ اگر مجسٹریٹ کی طرف سے مزید تلاشی ہوئی تو وہ ہتھیاروں سے مقابلہ کریں گے۔

حکومتِ برطانیہ اب زیادہ دنوں تک اپنے علاقہ میں ایک باغیانہ ادارہ کی طرف سے چشم پوشی نہیں کر سکتی تھی، ۱۸۵۲ء کی فصل خزاں میں لارڈ ڈلہوزی نے دو اہم کارروائیاں قلمبند کیں، اُنھوں نے اندرونی ادارہ کی پوری نگرانی اور اُن سرحدی قبائل کے خلاف مہم بھیجنے کی ہدایت کی جن کی کافروں کے ساتھ وہبی نفرت کو ہندوستانی مجنونوں نے ہوا دے کر مشتعل کر دیا تھا، اسی سال انھوں نے ہمارے حلیف امب کے رئیس پر حملہ کیا اور ہم کو ایک برطانوی فوج اس کی امداد کے لیے بھیجنی پڑی، ۱۸۵۳ء میں ہمارے متعدد دیسی سپاہی باغیوں سے خط و کتابت کرنے کے جرم میں ماخوذ ہوئے۔

حکومت کے جارحانہ اقدام اور ۱۸۶۰،۵۷ء کی سرحدی جنگیں

۱۸۵۰ء اور ۱۸۵۷ء کے درمیان سرحدی خلفشار کی وجہ سے ہم کو اپنی اپنی علیحدہ سولہ[۱۶] مہمیں

بھیجنی پڑیں جس میں تینتیس ہزار باقاعدہ سپاہی تھے اور ۱۸۵۰ء اور ۱۸۶۳ء کے درمیان علیحدہ علیحدہ مہموں کی تعداد بیس کو پہنچ گئی، جن میں بے قاعدہ مددگاروں اور پولیس کے علاوہ ساٹھ ہزار باقاعدہ سپاہی تھے۔ اس دوران ستھانہ کیمپ دائمی تعصب اور مذہبی اشتعال کے باوجود عاقلانہ طریقہ پر ہماری فوجوں سے براہ راست اُلجھنے سے مجتنب رہا، وہ ہوشیاری کے ساتھ ہمارے خلاف قبائل کی امداد کرتا رہا اور اُن کو اشتعال دلاتا رہا لیکن اُن لوگوں کو اپنا نقصان برداشت کرتے ہوئے ہم سے جنگ کرنے کی جُرأت نہ ہوئی، ۱۸۵۷ء میں اُنھوں نے علانیہ ہم سے جنگ چھیڑ دی اور اپنی دیدہ دلیری سے ہم سے جزیہ کا مطالبہ کیا، مطالبہ نامنظور ہونے کے بعد وہ دلیرانہ ہمارے علاقہ پر اُتر آئے اور اُنھوں نے لفٹننٹ ہارن کے کیمپ پر ایک شبخون مارا۔

۱۸ اکتوبر ۱۸۶۳ء کو ایک برطانوی فوج سات ہزار سپاہیوں کی سر نیول چیمبرلین کی قیادت میں سرحد کو روانہ ہوئی، علاقہ میں پہنچ کر جنرل کو معلوم ہوا کہ قبائل حریف سے مل گئے ہیں، حکومت پنجاب کے نام پریشانی میں تار پر تار آرہے تھے کہ امداد اور مزید امداد فوراً بھیجی جائے، فیروز پور، سیالکوٹ اور لاہور کے دستے فوراً روانہ کیے گئے۔ دو ہفتہ کے اندر اندر پنجاب کی چھاؤنیاں اس طرح فوجوں سے خالی ہوگئیں کہ میانمیر کا افسر کمانڈنگ بڑی مشکل سے لفٹننٹ گورنر کے لیے چوبیس آدمیوں کا محافظ دستہ بہم پہنچا سکا۔ ۴ نومبر کو حکومت پنجاب کو ہراول کا ایک دستہ وائسرائے کے کیمپ سے مستعار لینا پڑا، اور ایک دوسری ملٹری پولیس سوار اور پیادہ مواصلات (رسل ورسائل) کی حفاظت کے لیے بھیجے گئے۔ ۱۴ نومبر کو حالات اور زیادہ نازک ہو گئے اور کمانڈر انچیف آف برٹش فورسز لاہور آئے اور خود انتظام اپنے ہاتھ میں لیا، حکومتِ پنجاب نے پندرہ سو کا ایڈیشنل بریگیڈ بھیجے جانے کی درخواست کی، جنرل چیمبرلین کے تار نے اور ڈرا دیا۔ ۱۸ نومبر کو دشمن نے حملہ کیا، انگریزی فوج کو پسپا ہونا پڑا۔ ایک سو چودہ آدمی ہلاک ہوئے اور دوسری مرتبہ پھر دشمن نے حملہ کیا جس میں جنرل چیمبرلین خطرناک طور پر زخمی ہوئے اور افسروں کے علاوہ ایک سو اٹھائیس آدمی ہلاک ہوئے اور ۲۰ نومبر کو چار سو پچیس بیمار اور زخمی بھیجے گئے، کل آٹھ سو سینتالیس انگریزی سپاہی زخمی اور ہلاک ہوئے۔ آخر کار حکومتِ پنجاب اپنی فوجوں کو واپس بلا لینے پر راضی ہوگئی۔ لیکن یہاں بھی وہی تدبیر کارگر ہوئی جو مسلمانوں کے مقابلہ میں کم خطا جاتی ہے انگریز حکام اور مدبروں

نے قبائل کو توڑ لیا اور مجاہدین تنہا رہ گئے، ڈاکٹر ہنٹر نے اس موقع پر یہ فخریہ الفاظ لکھے ہیں :

"جو کام ہمارے ہتھیار نہ کرسکے وہ ہماری ڈپلومیسی نے کر لیا"

لیکن بہرحال یہ تجربہ بہت تلخ ثابت ہوا اور بقول ڈاکٹر ہنٹر "یہ مقابلہ ہم کو بہت گراں پڑا"

"۱۸۶۸ء میں پھر چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی۔ ۸، دسمبر کو حکومتِ ہند نے اس کے مقابلہ کے لیے فوجی قوت بھیجی، ۳۰، اکتوبر کو کمانڈر انچیف کے زیرِ ہدایت اور جنرل وائلڈ سی۔ بی کے زیرِ قیادت فوجیں روانہ ہوئیں، جولائی میں پنجاب گورنمنٹ نے ارجنٹ تار بھیجا کہ وہاں لڑا ہو گیا اور خطرہ سر پر ہے، فوری امداد کی سخت ضرورت ہے، سرحد پر فوجیں دو چند لر دی گئیں لیکن متوقع خطرہ پیش نہ آیا مگر انگریزی فوجیں مخالف کے قلب تک نہ پہنچ سکیں اور پنجاب گورنمنٹ کو افسوس رہا کہ یہ مہم ختم ہو گئی اور ہندوستان کے مذہبی مجنون نہ تو نکالے جا سکے اور نہ ہم انھیں مطیع کر کے ان کے گھروں کو ہندوستان واپس کر سکے" [1]

مقدمہ سازش ۱۸۶۴ء

حکومت کو اپنی متعدد شکستوں، زیرباری اور بدنامی سے سخت جھنجلاہٹ تھی، اس نے اپنا یہ غصہ ہندوستان کے ان رؤسا و شرفا پر اتارا جن کا کچھ تعلق سرحد کے مرکز یا اس تحریک سے ثابت ہوا اور ان سے انتقام کے جوش میں قانون بالائے طاق رکھ دیا، ۱۸۶۴ء میں اس نے آٹھ آدمیوں مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری رئیس تھانیسر، مولانا یحییٰ علی صاحب عظیم آبادی، مولانا عبدالرحیم صاحب عظیم آبادی، محمد شفیع سوداگر و رئیس لاہور اُن کے بعض کارندوں قاضی میاں جان اور بعد میں مولانا احمد اللہ صاحب رئیس پٹنہ عظیم آباد پر سازش کا مقدمہ چلایا اور اُن کو پھانسی کی سزا دی، پھر ایک عجیب و غریب نکتہ سے پھانسی کی سزا منسوخ کر کے

---

[1] انڈین مسلمانز از ڈاکٹر ہنٹر

حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دی" کتاب تواریخ عجیب یا "کالا پانی" کے چند اقتباسات درج کیے جاتے ہیں، جن سے حکومت کا غصہ اور ان حضرات کی استقامت معلوم ہوگی۔

" پارسن صاحب ہم تینوں آدمیوں کو ساتھ لے کر خوشی خوشی بسواری شکرم دہلی کو روانہ ہُوا، شکرم میں سوار کرنے سے پہلے مجھ کو بیڑی، ہتھکڑی، طوق پہنا کر اور طوق میں بطور باگ ایک زنجیر ڈال کر اور اُس کا سرا ایک مسلح سپاہی پولیس کے ہاتھوں میں دے کر اس کو میرے پیچھے بٹھایا اور پارسن صاحب اور ایک دُوسرا انسپکٹر پولیس دہنے بائیں بھرے ہُوئے طمنچوں کی جوڑیاں لے کر میرے بدن سے بدن ملا کر بیٹھ گئے، اس کے سوا پارسن صاحب بار بار مجھ کو راہ میں کہتا ہُوا آتا تھا کہ اگر تم ذرا بھی حرکت کروگے تو میں طمنچے سے تم کو مار دونگا، علی گڑھ سے چل کر دہلی تک کھانا پینا تو درکنار کسی سخت ضروری حاجت کے واسطے بھی ہم نہ اُتارے گئے، جب نماز کا وقت آتا تھا تو میں بلا طلب واجازت تیمم کرکے بیٹھے بیٹھے اشاروں سے نماز پڑھ لیتا تھا اور گاڑی بدستور چلی جاتی تھی اور وہ چُپ چاپ میری نماز کا تماشا دیکھا کرتے تھے، آخر بعد مُصیبت اس حال سے لوہے میں جکڑے ہُوئے ہم دہلی میں داخل ہُوئے جہاں لے جا کر زیر بنگلہ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس دہلی کے ہم کو ایک تہ خانہ میں زندہ درگور بند کر دیا، دُوسرے دن دہلی سے کرنال اور پھر کرنال سے انبالہ ہم کو لے گئے، جب ہم انبالہ میں پہنچے بہت رات جا چکی تھی، اسی طرح بے آب ودانہ ہم تینوں آدمیوں کو علیحدہ علیحدہ تین پھانسی گھروں میں بند کر دیا، جہاں ہم شروع اپریل تک برابر بند رہے، دُوسرے دن فجر کے وقت پارسن صاحب سپرنٹنڈنٹ اور میجر ٹکفیل صاحب ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس اور کپتان ٹائی صاحب ڈپٹی کمشنر انبالہ مثل یاجوج ماجوج کے میری کوٹھری میں آئے اور مجھ سے کہا کہ تم اس مقدمہ کا سب حال بتلا دو، تمھارے واسطے بہت بہتر

ہوگا، میں نے کہا میں کچھ نہیں جانتا، اس وقت پارسن صاحب نے مجھ کو پہلے بہت
دھمکایا اور پھر مارنا شروع کیا، جب میری مار حد کو پہنچی اور میں گر پڑا تو ٹائی صاحب اور
ونکفیل صاحب کوٹھری کے باہر کھڑے ہوگئے اور جب اس قدر مار پر بھی میں نے کچھ
نہ بتلایا تو وہ سب اُس دن مایوس ہو کر چلے گئے، میں نے جب یہ کیفیت ظلم و تعدی
کی دیکھی تو مجھ کو یقین ہوگیا کہ اب مجھ کو یہ لوگ زندہ نہ چھوڑیں گے، میرے ذمہ کچھ
رمضان کے روزے باقی تھے، دُوسرے دن میں نے اُن کی قضا رکھنی شروع کر دی۔

دُوسرے دن جب میں روزہ سے تھا علی الصباح پارسن صاحب پھر آیا اور
وہی کارروائی شروع کی، مگر تھوڑی زدوکوب کے بعد مجھ کو اپنی بگھی میں بٹھلا کر ٹائی
صاحب ڈپٹی کمشنر کے بنگلہ پر لے گیا جہاں پر وہ دونوں صاحب یعنی ٹائی صاحب اور
میجر ونکفیل صاحب بھی موجود تھے، اُس دن اُنھوں نے میری بڑی چاپلوسی کی اور کہا کہ
ہم تحریری عہد کرتے ہیں کہ اگر تم دوسرے شرکاء اور معاونین جہاد کو بتلا دو تو تم کو سرکاری
گواہ کر کے رہا کر دینے کے سوا بڑا عہدہ بھی دیویں گے اور بصورت نہ بتلانے کے تم کو
پھانسی ہوگی، میں نے اس چاپلوسی پر بھی انکار کیا تو پھر پارسن صاحب ان دونوں سے
انگریزی میں کچھ باتیں کر کے مجھ کو ایک الگ کمرہ میں لے گیا، جہاں لے جا کر پھر مارنا
شروع کیا، میں کہاں تک لکھوں، آٹھ بجے فجر سے آٹھ بجے رات تک مجھ پر اس قدر
مار پیٹ ہُوئی کہ شاید کسی پر ہُوئی ہو لیکن بفضلِ الٰہی میں سب سہار گیا مگر اپنے رب سے
ہر دم یہ دُعا کرتا جاتا تھا کہ اے رب یہی وقت امتحان کا ہے، تو مجھ کو اس وقت ثابت قدم
رکھیو، جب وہ ہر طرح مایُوس ہوگئے تو لاچار بعد آٹھ بجے رات کے مجھ کو جیل خانہ کو
واپس بھیج دیا، میں تمام دن روزے سے تھا، بنگلہ سے نکل کر درخت کے پتّوں سے
روزہ افطار کر لیا اور جیل میں پہنچ کر جو میرے حصّہ کا کھانا رکھا تھا، اس کو کھا کر شکرِ الٰہی

کر کے سو رہا جس دن مَیں ٹائی صاحب کے بنگلہ پر اس مار پیٹ کی لذت بنگلہ کے اندر اُٹھا رہا تھا، اُس وقت منشی حمید علی صاحب تھانپوری تحصیلدار نرائن گڑھ صرف اس قصور پر کہ اُس نے میری گرفتاری سے چند برس پہلے اپنے کسی دُنیاوی معاملہ میں مجھ کو ایک خط لکھا تھا اور بعض عملہ کچہری نے جو اُس کے دشمن تھے اس خط کے معنی غلط بیان کر دیے تھے جس پر وہ غریب معزز عہدہ دار معطل ہو کر باہر برآمدہ میں غمگین بیٹھا تھا، مَیں اس کا غمگین چہرہ دیکھ کر اپنی تکلیف بھُول گیا اور یہ خیال دل میں آیا کہ مجھ منحوس نالائق کو فقط ایک خط لکھنے پر یہ بیچارہ بے گناہ بھی پکڑا گیا، اگر اس کے بدلے مجھ کو ہی سزا ہو جائے اور یہ رہا ہو جائے تو بہت بہتر ہے، مَیں اپنی اس حالت زار میں اُس کے واسطے بہت دُعا کرتا رہا، فضلِ الٰہی سے وہ ناکردہ گناہ آخر بری ہو کر پھر اپنے عہدہ پر بحال ہو گیا اور اب تک اوّل درجہ کا عہدہ دار ملک پنجاب میں ہے، اس تاریخ کے بعد پھر مجھ کو کبھی گواہ شاہد ہونے کی ترغیب نہیں دی گئی۔"

"دسمبر سے اپریل تک یہ سب دار و گیر ہو کر بماہ اپریل مجسٹریٹ ضلع انبالہ میں یہ مقدمہ پیش ہُوا اور ہم سب لوگوں کو پھانسی گھروں سے نکال کر کچہری میں لے گئے، اُس وقت معلوم ہُوا کہ میرا حقیقی بھائی محمد سعید میرے اُوپر اور محمد رفیع حقیقی بھائی محمد شفیع کا اس کے اوپر پھانسی کی دھمکی سے گواہ ہو گئے اور اسی کارروائی سے پچاس ساٹھ آدمی جن میں اکثر مولوی ملاں تھے، ہمارے اوپر گواہ بنائے گئے لیکن اکثر گواہ گواہی دیتے وقت بھی ہماری طرف دیکھ کر زار زار روتے جاتے تھے مگر بے بس، اگر گواہی نہ دیویں تو قطع نظر مار پیٹ کے پھانسی کا سامنا تھا اور یہ سب گواہ تا ادائے شہادت محکمہ سیشن کے مثل قیدیوں کے زیرِ حراست پولیس رکھے گئے تھے اور پولیس ہی سے اُن کو عمدہ خوراک اور لباس ملتا تھا، چنانچہ لاکھوں روپیہ سرکار کا ان بے جا کارروائیوں پر صرف

ہوگیا، اور مار پیٹ کی تو یہ حالت تھی کہ عباس نام کا ایک لڑکا جو مدت سے میرے
گھر میں رہ کر پرورش پایا تھا، جب مجسٹریٹی میں گواہی دیتے وقت مجھ کو دیکھ کر مارے
محبت کے جھوٹا اور آموختہ بیان میرے اوپر کرنے سے ہچکچایا تو اُسی روز رات کو اُس کو
ایسی سخت سزا دی گئی کہ وہ بچہ اس صدمہ سے قبل از درپیشی مقدمہ سیشن کے مر گیا مگر
رفع بدنامی کے واسطے پارسن صاحب نے اُس کا مرنا کسی مرض سے مشہور کر دیا۔ جس
دن ہم اول روز مجسٹریٹی میں حاضر کئے گئے تو میرا بھائی بھی بزمرہ گواہان زیر حراست
پولیس تھا، اس نے مجھ کو بذریعہ ایک سپاہی پولیس کے یہ خبر بھیج دی کہ مجھ کو پولیس نے
مار پیٹ کر تمھارے اوپر گواہ بنا لیا ہے، سو اب جس وقت بر سر اجلاس میرے اظہار تحریر
ہوں گے تو میں اپنے اس بیان سے جو مار پیٹ کر لکھایا ہے پھر جاؤں گا، اس کے جواب
میں میں نے اُس کو کہلا بھیجا کہ میری قید اور رہائی کچھ تمھارے بیان پر موقوف نہیں ہے
وہ خدا کے ہاتھ میں ہے، اگر تمھارا اظہار بحلف ہوا ہے تو اب اُس سے پھر جانے پر بجرم
دروغ حلفی تم کو سزائے سخت ہو جاوے گی، میں تو پہلے سے پھنسا ہوا ہوں تمھارے
پھنس جانے سے والدہ ضعیفہ صدمہ کھا کر ہلاک ہو جاوے گی، اس واسطے بہتر ہے
کہ جو تم نے پہلے لکھایا ہے وہی اب بھی بیان کرو، لیکن بایں ہمہ جب اس کا اظہار میرے
سامنے ہونے لگا تو وہ پہلے اظہار سے منکر ہو گیا، صاحب لوگ بر سر اجلاس اُس کا انکار
سُن کر اوّل تو بڑے غصے ہوئے مگر بوجہ اس کی صغر سنی کے اس کو کچھ سزا نہ دے سکے
اس کا نام گواہوں سے کاٹ کر اس کو نکال دیا، کثرت گواہوں کے سبب سے ایک
ہفتہ تک فقط یہی مقدمہ کچہری مجسٹریٹی میں پیش ہوتا رہا۔ صاحب لوگوں کا تعصّب
ہم لوگوں سے یہاں تک تھا کہ جب بر وقت درپیشی مقدمہ کے ہم نے یہ درخواست
کی کہ ہماری نماز کا وقت آگیا ہے ہم کو نماز پڑھنے کی اجازت بخشی جائے تو یہ اجازت

بھی ہم کو نہ دی گئی مگر وہ ہمارا کیا کر سکتے تھے، ہم نے عین دوران مقدمہ میں تیمم کر کے بیٹھے ہوئے اشاروں سے نماز پڑھ لی، ایک ہفتہ کی کارروائی کے بعد ہمارا مقدمہ سیشن سپرد ہوا، اس وقت تک ہم پھانسی گھروں میں علیحدہ علیحدہ قید تھے، بعد سپردگی سیشن کے ہم سب کو ایک جگہ حوالات میں بند کر دیا، اب بعد ایک مدت کے تنہائی اور چلہ کشی کے جو ہم سب دوست ایک جگہ جمع ہوئے تو بڑی خوشی ہم لوگوں کو ہوئی میں تو سعدیؒ کا یہ شعر اکثر پڑھا کرتا تھا ؎

پائے در زنجیر پیش دوستاں
بہ کہ با بیگانگاں در بوستاں

مگر ایک مدتِ دراز چار ماہ تک تخلیہ اور تنہائی سے ہم لوگوں کو بہت روحانی فائدہ ہوا تھا۔ انوارِ الٰہی آئینۂ صافیہ قلب میں خوب محسوس ہوتے تھے، نماز روزہ میں کمال لذت محسوس ہوتی تھی کہ شاید وہ کیفیت برسوں کے چلہ کشی اور گوشہ نشینی میں بھی حاصل نہ ہوتی، اس وقت مولوی یحییٰ علی صاحب کی صحبت ایک مغتنمات سے تھی:

" اس صبر اور استقلال کے انعام کو خیال کر کے اوّل سے آخر تک میری زبان پر توشکر ہی شکر جاری رہا، مولوی یحییٰ علی صاحب کی کیفیت اس سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر تھی، وہ اکثر اس رباعی کے مضمون کو ادا کیا کرتے تھے

فلست ابالی حین اقتل مسلما علی ایّ شق کان للہ مصرعی
وذلک فی ذات الالٰہ وان یشأ یبارک علی اوصال شلو ممزع

ترجمہ: نہیں پروا کرتا ہوں میں جب کہ مارا جاؤں میں مسلمان کسی کروٹ پر ہو پچھڑ کر جانا میرا طرف خدا کی اور یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اگر چاہے برکت دیوے اوپر ملا دینے ٹکڑوں پراگندہ کے۔

یہ وہ رُباعی ہے جب حضرت خبیبؓ ایک صحابی کو کفارِ مکہ پھانسی دینے لگے تو اس نے نہایت جوانمردی سے یہ رُباعی پڑھ کر راہِ خدا میں جان دی اور شہید ہُوا اور اس کی موت کی خبر اور اس کا سلام خود جبرئیل علیہ السلام نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں پہنچایا تھا، مولوی یحییٰ علی صاحب بڑے درد اور عشق سے یہ شعر بھی اکثر سیّد صاحبؒ کے فراق میں پڑھا کرتے تھے۔

جب صبا کوئے یار سے گزرے — اتنا پیغام درد کا کہنا
دن بہت انتظار میں گزرے — کون سی رات آپ آئیں گے

بعد التوائے دراز کے ۲ مئی ۱۸۶۴ء کو پھر ایک آخری اجلاس سیشن ہُوا اور جج صاحب موصوف اپنی تجویز اور فتویٰ سزا اپنے گھر پر بیٹھ کر حسب ایما گورنر صاحب کے لکھ لائے تھے، اس دن اجلاس میں بیٹھنے کے ساتھ ہی پہلے چاروں اسیروں سے سشن جج صاحب نے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ لوگوں نے اس مقدمہ کو اوّل سے آخر تک سُنا، اب جو رائے ہو لکھ کر پیش کرو، ہم نے دیکھا کہ یہ چاروں اسیر اُس وقت بھی ہماری شکلوں کو دیکھ دیکھ آنسو بھر لاتے تھے اور دل سے ہماری رہائی کے خواہاں تھے مگر جب صاحب سیشن جج و کمشنر کی رائے کو ہماری سزا پر مائل پایا تو مارے ڈر کے اُنھوں نے بھی لکھ دیا کہ ہمارے نزدیک بھی جرم مندرجہ فردِ قرارداد ثابت ہے پھر تو صاحب جج و کمشنر نے بعد حصول اس حیلۂ قانونی کے اپنی تجویز جو پہلے سے میز پر لکھی ہُوئی رکھی تھی پڑھنی شروع کی جس میں آئیں بائیں شائیں کر کے پلوڈن صاحب کی عمدہ دلیل کا جواب تھا اور پھر سب سے پہلے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم عقلمند اور ذی علم اور قانون داں اور اپنے شہر کے نمبردار اور رئیس ہو، تم نے اپنی ساری عقلمندی اور قانون دانی کو سرکار کی مخالفت میں خرچ کیا، تمھارے ذریعہ سے آدمی اور روپیہ

سرکار کے دشمنوں کو جاتا تھا، تم نے سوائے انکار بحث کے کچھ حیلتاً بھی خیر خواہی سرکار کا دم نہیں بھرا اور باوجود فہمائش کے اُس کے ثابت کرانے میں کچھ کوشش نہ کی اس واسطے تم کو پھانسی دی جاوے گی اور تمھاری کُل جائداد ضبط سرکار ہوگی اور تمھاری لاش بھی تمھارے وارثوں کو نہ دی جائے گی بلکہ نہایت ذلت کے ساتھ گورستان جیل میں گاڑ دی جائے گی اور اخیر میں یہ کلمہ بھی فرمایا کہ میں تم کو پھانسی پر لٹکتا ہوا دیکھ کر بہت خوش ہونگا، یہ سارا بیان موصوف کا میں نے نہایت سکوت سے سُنا مگر اس آخری فقرہ کے جواب میں میں نے کہا کہ جان دینا اور لینا خدا کا کام ہے، آپ کے اختیار میں نہیں ہے وہ رب العزت قادر ہے کہ میرے مرنے سے پہلے تم کو ہلاک کر دے لیکن اس جواب باصواب پر وہ بہت خفا ہوا مگر پھانسی کا حکم دینے سے زیادہ اور میرا کیا کر سکتا تھا جس قدر سزائیں اُس کے اختیار میں تھیں سب دے چکا تھا لیکن اس وقت میرے منہ سے یہ الہامی فقرہ ایسا نکلا تھا کہ میں تو اس وقت تک زندہ موجود ہوں مگر وہ اس حکم کے دینے کے تھوڑے عرصہ کے بعد ناگہانی موت سے راہیٔ ملک عدم ہوا، مجھ کو اپنی اس وقت کی کیفیت خوب یاد ہے کہ میں اس حکم پھانسی کو سُن کر ایسا خوش ہوا کہ شاید ہفت اقلیم کی سلطنت ملنے سے بھی اس قدر مسرور نہ ہوتا، اس حکم کے سُننے سے میری وہ کیفیت ہوئی کہ گویا جنت فردوس اور حوریں آنکھوں کے سامنے پھرنے لگ گئی تھیں، میرے بعد مولوی یحییٰ علی صاحب اور اُن کے بعد محمد شفیع اور اُن کے بعد نمبردار سب آدمیوں کو حکم سزا سُنا دیا گیا، جن میں، میں اور مولوی یحییٰ علی صاحب اور حاجی محمد شفیع تین آدمیوں کے واسطے پھانسی وغیرہ حسب مذکورہ بالا اور باقی آٹھ مجرموں کو دائم الحبس بعبور دریائے شور مع ضبطی جائداد کے سزا ہوئی، میں نے مولوی یحییٰ علی صاحب کو بھی نہایت بشاش پایا لیکن محمد شفیع کے چہرہ کا رنگ بدل گیا تھا، تاہم انھوں نے بھی اپنی طبیعت کو بہت تھاما، اُس دن

پولیس والے اور تماشہ بین مرد عورت بکثرت حاضر تھے۔ قریب تمام کے احاطہ کچہری ضلع انبالہ کا خلقت سے بھرا ہُوا تھا۔ حکم سُنا کر اُس کا چُپ ہونا تھا کہ صدہا مسلح اہلِ پولیس زیرِ حکم کپتان پارسن صاحب میرے نزدیک آ کر کہنے لگا کہ تم کو پھانسی کا حکم ملا ہے تم کو رونا چاہیئے، تم کس واسطے اتنا بشاش ہے، میں نے چلتے چلتے اُس کو بولا کہ شہادت کی اُمید پر جو سب سے بڑی نعمت ہے اور تم اس کو کیا جانو، اس مقام پر یہ بات بھی بیان کر دینا ضروری ہے کہ پارسن صاحب بھی ایڈورڈس صاحب سے بڑھ کر متعصب تھا اور اس مقدمہ میں شروع سے اس نے ہم لوگوں پر بہت ظلم کیا تھا جس کی تفصیل یہ قلم بھی نہیں کر سکتی، مگر خداوند تعالیٰ منتقمِ حقیقی تو موجود تھا گو اس کے کام دیر اور سہولت سے ہوتے ہیں، ہم کو سزا ہو کر تھوڑے دن گزرے تھے کہ یہ بے خوف بھی دُنیا ہی میں پاگل ہو کر راہیٔ مُلکِ عدم ہُوا۔ اُس دن تماشہ بیں لوگ ہماری پھانسی کا حکم سُن کر اکثر زار زار روتے تھے، کوئی خدا کی مرضی اور راضی بقضا سے اپنے رنج کو روکتا تھا، کوئی دم بخود ساکت ہو کر ہم کو دیکھ رہا تھا، جیل خانہ تک بیسیوں مرد عورت اردگرد سڑک کے ہمارا منہ دیکھتے ہوئے چلے گئے، اسی حالت کے اندر پولیس ہم کو جیل خانہ میں لے گئی اور وہاں پہنچ کر ہمارے کپڑے اور لباس معمولی اُتار کر ضبط کر لیے گئے ——— اور ہم سب کو گیروا لباس پہنا دیا۔ ہم تین پھانسی والوں کو علیحدہ علیحدہ تین پھانسی گھروں میں بند کر دیا، باقی آٹھ آدمیوں کو جیل خانہ میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ ملا دیا۔

۲ مئی کی رات کو جب ہم ان تنگ تاریک کوٹھریوں میں جو نواب سراج الدولہ کے بلیک ہول قلعۂ کلکتہ سے بھی بڑھی ہوئی تھیں بند ہوئے تو پہلی ہی رات کو ایک جہنم کا نمونہ ہو گیا، اُسی کی صبح کو ہم نے اہالیانِ جیل خانہ سے اپنی یہ تکلیف بیان کر کے چاہا کہ کسی طرح بوقتِ شب ان کوٹھریوں سے باہر رکھا جائے مگر سب اہالی جیل خانہ مارے ڈر کے انکار کر

کے باہر چلے گئے لیکن ان کا انکار کرکے جیل خانہ سے باہر نکلنا تھا کہ سامنے سے ایک سوار تار گھر سے ایک ضروری لفافہ لے کر پہنچا، لفافہ کھول کر جو دیکھا تو اس میں یہی لکھا تھا کہ ان تین پھانسی والوں کو بوقتِ شب میدان میں باہر سُلایا کرو، یہ طرفہ تماشہ تائیدِ الٰہی کا دیکھ کر اسی دم جیلخانہ والوں نے ہم کو یہ حکم سُنا دیا، ہمارے واسطے بڑے اہتمام سے تین پھانسیاں اور اس کے ریشمی رسّے تیار ہوئے اور ادھر مثل مقدمہ کو واسطے منظوری پھانسی کے محکمۂ چیف کورٹ پنجاب میں بھیج دیا۔"

"۲ مئی تاریخ سُنانے حکم پھانسی سے ۱۶ ستمبر تک ہم پھانسی گھروں میں بند رہے۔ اہالیانِ جیل ہمارے پھانسی دینے کا سامان تیار کر رہے تھے اور ادھر ہم انگریزوں کا تماشہ بن رہے تھے، صدہا صاحب لوگ اور میم روزانہ ہمارے دیکھنے کو پھانسی گھروں میں آتے تھے مگر بخلاف دوسرے عام پھانسی پانے والوں کے ہم کو نہایت شاداں و فرحاں پاکر یہ یورپین بہت تعجب کرتے، اکثر ہم کو پوچھتے تھے کہ تم کو بہت جلد پھانسی ہوگی، تم خوشی کس واسطے کرتے ہو۔ ہم اس کے جواب میں صرف اس قدر کہہ دیتے کہ ہمارے مذہب میں خدا کی راہ میں ایسے ظلم سے مارے جانے پر درجہ شہادت کا ملتا ہے۔ اس واسطے ہم کو خوشی ہے۔

" اب اس مقلب القلوب کی ظاہری کارروائی کو سُنیے، جب بہت سے صاحب اور میم ہم کو پھانسی گھروں میں نہایت شاداں و فرحاں دیکھ گئے تو یہ چرچا سب صاحب لوگوں میں پھیلا تب اُن صاحب لوگوں نے جو ہمارے جانی دشمن تھے یہ خیال کیا کہ ایسے دشمنوں کو منہ مانگی موت شہادت جس کے واسطے وہ ایسا خوش ہو رہے ہیں دینی نہیں چاہیے بلکہ اُن کو کالے پانی بھیج کر وہاں کی مصائب اور سختیوں سے ہلاک کرانا چاہیے۔ ہم نے دیکھا کہ مطابق اسی ہماری پیشین گوئی کے صاحب ڈپٹی کمشنر انبالہ ۱۶ ستمبر کو پھانسی گھروں میں تشریف لائے اور چیف کورٹ کا حکم ہم کو پڑھ کر سُنا دیا کہ تم پھانسی پڑنے کو بہت

دوست رکھتے ہو اور شہادت سمجھتے ہو، اس واسطے سرکار تمھاری دل چاہتی سزا تم کو نہیں دیوے گی، تمھاری پھانسی سزائے دائم الحبس بعبور دریائے شور سے بدلی گئی، مجرد سنانے اس حکم کے پھانسی گھروں سے دوسرے قیدیوں کے ساتھ بارکوں میں ملا دیا، اور جیلخانہ کے دستور کے موافق مقراض سے ہماری ڈاڑھی مونچھ اور سر کے بال وغیرہ سب تراش کر مُنڈی بھیڑ سا بنا دیا، اُس وقت میں نے دیکھا کہ مولوی یحییٰ علی صاحب اپنی ڈاڑھی کے کترے ہوئے بالوں کو اُٹھا اُٹھا کر کہتے تھے کہ افسوس نہ کر تو خدا کی راہ میں پکڑی گئی اور اس کے واسطے کتری گئی۔"

۱۸۶۵ء میں یہ لوگ پورٹ بلیر انڈمان بھیجے گئے، ان لوگوں کے جانے کے بعد صادق پور پٹنہ کے وہ مکانات جن میں جماعت کے لوگ ٹھہرے تھے مع مکانات کھود وا کر پھنکوا دیے گئے، ۱۸۷۱ء کے اخیر تک بہار اور بنگال میں گرفتاری کا سلسلہ جاری رہا۔ پٹنہ میں امیر خاں سوداگر چرم اور مولوی تبارک علی وغیرہ پٹنہ میں مولوی امیر الدین صاحب اور اسلام پور میں ایک معمر و ضعیف شخص ابراہیم منڈل کو گرفتار کیا گیا اور پرانے گواہوں سے گواہی دلوا کر کالے پانی روانہ کر دیا گیا، امیر خاں کی جائداد سے حکومت نے مقدمہ کا کل خرچ پورا کیا، پورٹ بلیر میں مولانا احمد اللہ صاحبؒ اور مولانا یحییٰ علی صاحبؒ نے انتقال فرمایا۔ ۱۸۸۳ء میں اٹھارہ برس کے بعد مولوی محمد جعفر صاحبؒ اور ان کے رُفقا کی رہائی کے احکام جاری ہوئے اور یہ حضرات ہندوستان واپس آئے، مولانا عبدالرحیم صاحب نے صادق پور کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ انھیں کے الفاظ میں سننے کے قابل ہے:

" صادق پور گیا تو وہاں دیکھا کہ ہم لوگوں کے مکانات کل منہدم کر کے کف دست میدان بنا دیا گیا ہے اور اس پر بازار اور میونسپلٹی کے مکانات بنا دیے گئے ہیں، میں نے چاہا کہ اپنے خاندانی مقبرہ کو جہاں چودہ پشت سے ہمارے آباو اجداد دفن ہوتے چلے آئے

تھے جا کر دیکھوں اور خصوصاً اپنے والدین ماجدین غفر اللہ لہما کے مزار کی زیارت کروں اور اس پر دعائے مغفرت اور فاتحہ پڑھوں مگر ہر چند کہ کوشش کی پتہ نہ ملا، بعد تجسس و تفحص بسیار غور و فکر کے قرینہ سے معلوم ہوا کہ حضرات والدین ماجدین کی قبریں کھود کر اس پر بنائے عمارت میونسپلٹی بنا دی گئی ہے۔ اے حضرات ناظرین! اس وقت اس حرکت کا جو ہمارے اموات کے ساتھ کی گئی جو صدمہ دل پر گزرا وہ بیرون از حیطۂ تحریر و تقریر ہے۔ اس وقت تک اس کی یاد سے بدن کے رونگٹے تک کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے جرم میں ہمارے اموات و آبا و اجداد کی قبریں کیوں کھودی گئیں اور وہ مقبرہ کیوں معرض ضبطی میں آیا، ہماری عادل گورنمنٹ نے کیوں یہ کام کیا؟"

سیّد صاحبؒ کے خُلفاء و مُریدین کی فہرست

مطابق حرُوفِ تہجّی

جن کے حالات دستیاب ہوسکے ہیں درج ہیں

(الف)

مولانا ابراہیم بن مدین اللہ نگرنہسویؒ

مولانا ابراہیم ۱۲۲۵ھ سے ۱۲۸۲ھ فضلائے عصر میں سے تھے مولانا نورالاسلام بن سلام اللہ دہلوی، مفتی شرف الدین مولانا حیدر علی ٹونکی، مفتی صدرالدین دہلوی، شیخ حسن علی، شاہ اسحٰق صاحب سے تلمذ تھا، اٹھارہ برس تک مدرسہ عالیہ کلکتہ میں مدرس رہے، تلامذہ میں مشاہیر علماء ہیں تصنیفات میں محبی شرح دیوان المتنبی، ضابطۃ الادباء اور شمسیہ کا حاشیہ یادگار ہے۔ (نزہتہ)

میاں جی احسان اللہ بڈھانویؒ

شیخ احمد بن ادریسؒ وزیرِ سلطان مغرب

شیخ احمد علماء و اعیان مغرب اقصیٰ میں سے تھے، بخاری مع شرح قسطلانی حفظ یاد تھی، سفرِ حج میں ۱۲۳۷ھ میں سیّد صاحبؒ سے بیعت ہوئے۔

سیّد احمد علی شہیدؒ

سیّد احمد علی، باپ کا نام سیّد عبدالسبحان تھا، سیّد صاحبؒ کے بھانجے تھے جہاد میں آپ کے ساتھ شریک رہے پھولڑہ کی جنگ میں شہادت پائی صالح، ذی علم اور باوقار تھے، تین صاحبزادے تھے، سیّد زین العابدین عرف میاں عابد، سیّد حسن مثنیٰ عرف محمد موسیٰ اور سیّد ابوالقاسم۔

مولوی احمد الدین پھلتیؒ

مولانا احمد اللہ عظیم آبادیؒ

مولانا احمد اللہ ۱۲۲۳ھ - ۱۲۹۸ھ جلیل القدر مجاہدین اسلام میں سے ہیں، باپ کا نام مولوی الٰہی بخش ہے جو پٹنہ عظیم آباد کے روسا عظام میں سے تھے، آپ مولانا یحییٰ علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی ہیں۔ آپ کا اوّل نام احمد بخش تھا، سید صاحبؒ نے بدل کر احمد اللہ رکھا۔ مولانا ولایت علی عظیم آبادی اور دوسرے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اور وقت کے مشاہیر عُلما میں ہُوئے۔ صادق پور میں پچھلے زمانہ میں جتنے عالم ہُوئے وہ سب آپ کے شاگرد یا شاگرد کے شاگرد تھے۔ آپ بڑے منتظم، صاحب تدبیر و تجربہ، بارسُوخ اور سربرآوردہ رئیس تھے، حکومت رفاہِ عام کے کاموں میں اکثر آپ سے مشورہ لیتی، وائسرائے کے دربار میں آپ درجۂ اوّل میں شمار ہوتے، حکومت و رعایا کے اختلافی قضیوں میں آپ ہی حکم اور ثالث بنتے، جج سے اگر آپ کو اختلاف ہوتا تو آپ ہی کی رائے پر مقدمہ صدر سے فیصل ہوتا، ۱۸۵۷ء کے بعد آپ پر غلط الزام لگانے کے جُرم میں مسٹر ٹیلر کمشنر پٹنہ برخواست کر دیے گئے لیکن ۱۸۶۴ء میں مجاہدین سرحد کی امداد اور حکومت کے خلاف منافرت پھیلانے کے جُرم میں حکومت نے آپ پر مقدمہ چلایا اور تمام سابقہ خدمات اور تعلقات پر خاک ڈال دی، مولانا کو حبس دوام بعبور دریائے شور کا حکم ہُوا۔ تمام شہر عشرۂ محرم ہو گیا، لیکن آپ کو کوئی حُزن و ملال نہ تھا۔ صابر و شاکر راضی بقضا تھے، آپ پورٹ بلیر انڈمن بھیجے گئے وہاں آپ نے خارق عادت استقامت و ثبات کے ساتھ تین۳ سال تکالیف و مصائب میں بسر کر کے انتقال فرمایا رحمہ اللہ رحمۃ المجاھدین والمھاجرین، آپ کے صاحبزادوں میں خاقانیِ ہند علامہ حکیم عبدالحمید، مولانا اشرف علی ایم اے مرحوم اور مولانا عبدالحکیم تھے۔

قاضی احمد اللہ میرٹھیؒ

قاضی حیات بخش صاحب کے فرزند، بڑے دیندار عالم و حافظ اور بڑے پرہیزگار بزرگ تھے، مع اپنے والد ماجد کے حضرت علیہ الرحمہ کے ہمراہ سفر حج میں تھے، لشکر میں جُمعہ اور عیدین کی نماز وہی پڑھاتے تھے اور خطبہ وہی پڑھتے تھے اور کبھی کبھی نماز پنجگانہ بھی پڑھاتے تھے[1]

---

[1] وقائع احمدی

مولوی احمد اللہ ناگپوریؒ مولانا عبدالحی کے علاتی بھائی، بڑے ولادرسپہ گر اور بڑے دیندار و پرہیزگار تھے، آپ کی مولانا عبدالحی سے صرف خط و کتابت تھی کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ ملاقات کا نہایت اشتیاق تھا، افسوس کہ مولانا کے انتقال کے چار روز بعد خبر پہنچے اور حادثہ کو سُن کر نہایت متأسف ہُوئے، اپنے بھتیجے مولوی عبدالقیوم کو سینہ سے لگایا اور آخر دم تک سیّد صاحبؒ کے ساتھ رہے۔[1]

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ، مولوی اکرام الدین دہلویؒ صاحب تفسیر سورۃ فاتحہ

خواجہ الماسؒ مدینہ منورہ میں اولیاء اللہ میں شمار ہوتے تھے۔

الہ بخش خاں مورانویؒ

مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ مفتی الٰہی بخش ۱۱۶۲ھ ۔ ۱۲۴۵ھ۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز شاگرد اور مُرید تھے۔ بڑے فقیہ، طبیب، شاعر اور مصنف تھے، اکثر تصانیف تصنیف کے بعد اپنے شاگردوں کو عنایت فرما دیتے۔ اس لیے بہت کم تصانیف محفوظ رہیں، عربی، فارسی، اُردو پر یکساں عبور تھا، قصیدہ بانت سعاد کی عربی میں شرح لکھی جس میں ہر شعر کا عربی، فارسی اور اُردو میں منظوم ترجمہ ہے مثنوی مولانا رُوم کا تکملہ لکھا جو مطبوع و مشہور ہے۔

۱۲۳۴ھ کے ماہ ربیع الاوّل میں سیّد صاحبؒ کی ملاقات و بیعت سے مشرف ہوئے[2] اس وقت

---

[1] وقائع احمدی

[2] "ملہمات احمدیہ میں لکھتے ہیں" درحدود سنہ الف و مأتین و اربع ثلاثین درماہ ربیع الاول بتاریخ ہفت دہم بملازمت آں برگزیدۂ جناب الٰہی مجدد طریقۂ رسالت پناہی فائز گردانید ۱۲

آپ کی عُمر بہتر۷۲ سال اور سیّد صاحبؒ کی عُمر چونتیس۳۴ سال کی تھی۔ ایک ایسے شیخ سے بیعت ہونا جو عُمر میں اڑتیس سال چھوٹا اور رسمی طور پر عالم نہیں تھا، آپ کی للّٰہیت، بے نفسی اور خلوص کی دلیل ہے، بیعت ہونے کے بعد سیّد صاحبؒ کے طریقہ اور اذکار میں "ملہماتِ احمدیہ" کے نام سے فارسی میں ایک کتاب لکھی جو "صراطِ مستقیم" کا خلاصہ مع اضافہ ہے، آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ مولوی ابوالقاسم اور مولوی ابوالحسن جو مشہور مثنوی گلزار ابراہیم کے مصنف ہیں جو اُن کی بڑی کتاب "بحرِ حقیقت" کا ایک حصّہ ہے، آپ کا خاندان نہ صرف ضلع مظفر نگر بلکہ ہندوستان میں اپنی علمی و دینی حیثیت سے ممتاز ہے، مولانا الیاس دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

مولانا امام الدینؒ

مولانا امام الدین، موضع حاجی پور بنگال کے رہنے والے، حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کے خاص شاگردوں میں سے تھے، کسی شیخ طریقت سے علُومِ باطنی کی تعلیم حاصل کرتے تھے، دہلی میں اُس وقت سیّد صاحبؒ کا شہرہ تھا، مجلس میں حاضر ہُوئے، باتیں کیں لیکن کوئی اعتقاد پیدا نہیں ہُوا، اتفاق سے لکھنؤ کے قیام میں ایک مرتبہ بغرضِ ملاقات نہ براہِ ارادت سیّد صاحبؒ کی مجلس میں حاضر ہُوئے، سیّد صاحبؒ لوگوں سے بیعت لے رہے تھے، آپ پر نظر پڑی تو بیعت کے لیے ارشاد ہُوا، آپ نے بیتابانہ بیعت کی، بیعت کرتے ہی مستغرق اور از خود رفتہ ہوگئے، لوگ آپ کو اُٹھا کر لے گئے، تین دن برابر استغراق طاری رہا، اور آپ ہوش میں نہیں رہے لیکن عجیب بات تھی کہ نماز کے وقت آپ کو ہوش آجاتا اور نماز پڑھ کر پھر مستغرق ہو جاتے، کھانے پینے کا ہوش نہ تھا، کسی طرح سے آپ کو کھلایا پلایا جاتا، لیکن اس ظاہری بیہوشی کے ساتھ باطنی آگاہی اور ہوشیاری کا یہ حال تھا کہ فرماتے تھے کہ اس وقت جب میں قضاءِ حاجت کے لیے جاتا تو شرم دامنگیر ہوتی کہ خدا کے سامنے کس طرح برہنہ ہُوں لیکن شرع کی اجازت سے بقدرِ ضرورت لباس کو بدن سے ہٹاتا۔

مولانا امام الدینؒ نے برسہا برس سیّد صاحبؒ کی خدمت کی اور فیوضِ باطنی اور انوارِ رُوحانی کا اکتساب کیا اور خصوصیت کے ساتھ "صراطِ مستقیم" کی تعلیم خود سیّد صاحبؒ سے حاصل کی اور مضامین کتاب کی تشریح میں آپ جو گرانقدر معارف و حِکَم و لطائف فرماتے اُن کو محفوظ رکھا۔

ٹونک میں آپ نے قیام اختیار کیا، نواب وزیر الدولہ مرحوم نے خدمت کی سعادت حاصل کی اور صراطِ مستقیم

کی تعلیم خاص طور پر حاصل کی۔ نواب صاحب مرحوم وصایائے وزیری میں لکھتے ہیں کہ :

" ذکرِ جہر کی تعلیم کے وقت جس وقت مولانا اسمِ ذات اللہ زبان سے کہتے۔ ظاہری ہوش و حواس سے نکل کر انوارِ باطنی میں مستغرق ہو جاتے اور " با ہزار ہوشِ حقیقی مدہوشِ مجازی می گردید۔ بیت

ہوشیاری را حجابِ یار می دانیم ما

بیخودی را بزمِ بے اغیار می دانیم ما (وصایائے وزیری)

امام خاں خیر آبادیؒ ۔ امام الدین خاں رامپوریؒ ۔ سیّد امیر علیؒ

سیّد محمّد امین صاحبؒ

سیّد محمد امین بن سیّد غلام فرید حسینی، حضرت سیّد ابو الفتح عبداللہ معروف بہ شاہ اتّن بدر چشتی کرمانی کی اولاد سے تھے جو دسویں صدی ہجری کے مشہور صاحبِ ارشاد و ہدایت اور صاحبِ سلسلہ بزرگ تھے، آپ کا خاندان بلحاظ علم و فضل مشیخت و ارشاد اور عزت و وجاہت ہمیشہ ممتاز رہا۔ تقریباً ۱۱۹۵ھ میں پیدا ہوئے، جس زمانہ میں حضرت سیّد صاحبؒ رامپور میں قیام فرما تھے، مولانا شہیدؒ کے مواعظ سے متاثر ہو کر حاضرِ خدمت ہوئے اور بیعت کی، حج سے واپسی کے بعد جب سیّد صاحبؒ نے جہاد کا ارادہ فرمایا اور ملک میں اپنے داعی روانہ فرمائے تو آپ نے بھی لبیک کہا اور جماعتِ مجاہدین میں داخل ہو کر جہاد میں شریک رہے۔ اسی زمانہ میں خلعت و خلافت سے مشرف ہوئے۔ تحریک جہاد ختم ہوئی تو باقی ماندہ قافلہ کے ساتھ ٹونک آئے اور کچھ عرصہ نواب امیر خاں کی خدمت میں رہنے کے بعد وطن واپس آ کر اصلاح و تبلیغ میں مصروف ہو گئے، حُسنِ اتفاق کہ ضلع مُراد آباد، بجنور اور اس کے مضافات میں آپکے بزرگوں کے ہزارہا مُرید و معتقد موجود تھے، بنا بنایا میدان مِل گیا، از سرِ نو ان لوگوں سے سیّد صاحبؒ کے طریقہ میں بیعت لی، تھوڑے ہی عرصہ میں ان کی حالت کچھ سے کچھ ہو گئی، پیر پرستی، قبر پرستی، شرک و بدعات اور جاہلانہ رسُوم کے بجائے اتباعِ سُنّت، پابندئ شریعت، ایمان و خلوص کا وہ جذبہ پیدا کر دیا کہ یہ جماعت بخیر ایمان و عمل بن گئی

قوالی و مزامیر کی جگہ تہجد و اشراق اور فرائض و سنن کی ادائیگی نے لے لی اور اس طرح ہزاروں انسانوں کی اصلاح ہوگئی، ادبیاتِ فارسی میں کافی دستگاہ تھی، عربی سے بھی بقدرِ مایحتاج واقف تھے، شعر سے بھی ذوق تھا حضرت سید صاحبؒ اور آپ کے رفقاء و مجاہدین اور واقعاتِ جہاد کا ایک منظوم تذکرہ فارسی میں لکھا تھا جس کے دیباچہ میں اپنے اکلوتے فرزند کے جو اس زمانہ میں صغیر سن تھے، غازی و مجاہد بننے کی دُعا و تمنا کرتے ہیں :

بعلم و عمل بہرہ مندی دہی　　　زتاجِ ادب سربلندی دہی

مجاہد چنانش کن اندر غزا　　　کز و تا رسد بر نصاریٰ سزا

اس میں عیسائی حکومت کی جس کی بُنیاد اس زمانہ میں پڑ چکی تھی انتہائی مذمت اور اس سے نفرت واجتناب کی تعلیم دی ہے، مسلمانوں کی اخلاقی و مذہبی پستی کا ذمہ دار حکومت متسلطہ کی بے دینی کو قرار دیا ہے اور اس کے ظلم و جور سے پناہ مانگتے ہوئے اس کی تباہی اور زوال کے لیے دُعا کرتے ہیں :

بہ نیروئے اسلامیان زور دِہ　　　کہ شد از سگاں شہر ہا کور دِہ

. . . .　　　. . . . .

بجاں آمدیم از تعدیٔ شاں　　　بسے الاماں المدد الاماں

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بغایت جری و بیباک تھے، کسی شخص کو اگر شریعت و سنتِ مطہرہ کے خلاف عمل کرتے دیکھتے تو بلا لحاظ اس کے مرتبہ و وجاہت کے فوراً ٹوک دیتے اور ذرا نہ جھجکتے، سفر و حضر، قیام و قعود، اکل و شرب، غرض ہر حالت میں اتباعِ سنت کا لحاظ رکھتے تھے، زہد و ورع اور تقویٰ و احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کسی شخص کا پانی بھی اُس وقت تک نہ پیتے جب تک اُس کی وجہ آمدنی اور جواز کا اطمینان نہ ہو جاتا غلس لیل میں نمازِ صبح اور اوّل وقت نمازِ عصر مسجد میں باذان و اقامۃ ادا فرماتے، ہتھیاروں سے بہت شوق تھا۔ ہر وقت جذبۂ عمل اور ذوقِ جہاد میں سرشار رہتے، ۱۲۸۵ھ میں انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔[1]

(از افادات مولانا سید حسن مثنیٰ صاحب رضوی امروہی)

---

[1] ماخوذ از تذکرۃ الکرام تاریخ امروہہ ص۱۹۹ - جنت۲ مؤلفہ مولوی محمود احمد عباسی

مولانا سید اولاد حسنؒ قنوجی

سید اولاد حسن، سنہ ۱۲۰۰ھ - سنہ ۱۲۵۳ھ سید صاحبؒ کے خلفاءِ عظام میں سے ہیں، نواب انور جنگ بہادر سید اولاد علی خاں قلعہ دار گولکنڈہ کے صاحبزادے اور امیر الملک والا جاہ نواب سید صدیق حسن خاں مرحوم کے والدِ نامدار ہیں، لکھنؤ میں مرزا حسن علی محدث اور دہلی میں شاہ رفیع الدین صاحبؒ سے حدیث و فقہ و تفسیر کی تعلیم حاصل کی، اور مولانا شاہ عبد العزیز صاحبؒ سے حدیث و وظائف و ادعیۂ ماثورہ کی سند لی اور مولانا شاہ عبد القادر صاحبؒ سے بھی استفادہ کیا، اپنا آبائی مذہب تشیع ترک کیا، تمام اہلِ خاندان سے جو شیعہ تھے اپنے تعلقات منقطع کر لیے، اور مراسم شادی و غمی کو یک قلم اُٹھا دیا، سید صاحبؒ کے سفرِ جہاد کے موقع پر حاضر ہو کر بیعت کی اور رفاقت اختیار کی، سید صاحبؒ محبت و خصوصیت کی بنا پر سید برادر کے لفظ سے مخاطب کیا کرتے تھے، آپ کے نام سید صاحبؒ کا ایک خط ہے جس سے خصوصیت و تعلق کا پتہ چلتا ہے۔ دس ہزار آدمیوں سے زیادہ قنوج اور اطراف قنوج کے لوگ آپ کے مرید ہوئے اور کئی ہزار ہندو مشرف باسلام ہوئے، مختلف مقامات میں بہت سی مساجد و مدارس کی بنیاد پڑی۔

قنوج میں مولانا کی وجہ سے عقائد و اعمال و رسوم کی بڑی اصلاح ہوئی۔ پوری پوری برادریوں نے آپ کا رنگ قبول کر لیا اور متبع سنت بن گئیں، ان اطراف میں آپ کے برکات اور اصلاحی اثرات اب بھی محسوس ہوتے ہیں۔ تورّع و استغناء میں سلف کا نمونہ تھے، اسی تقویٰ و احتیاط کی بنا پر والد کی عظیم الشان جائداد چھوڑ دی، ایک مرتبہ سید صاحبؒ نے آپ سے فرمایا کہ:

" سید برادر! شما اموالِ کثیرِ والد خود کہ حسابش بہ لکوک می رسد چرا گزاشتید امروز آں زرِ بسیار اگر بدست شما می بود بکارِ مسلماناں می آمد۔"

مولانا نے جواب دیا کہ:

" مخدوم گزاشتم، پدرِ من شیعی بود و مال بسیار فراہم آوردہ و عمارت بسیار برائے نام آوری بنیاد نہادہ، ندانم کہ از وجہِ حلال است یا حرام، اگر حرام است خود

گر فتنی نیست و اگر حلال است حق تعالیٰ مرا عوضِ آں دولتِ علم بخشیدہ از آں مستغنی فرمودہ است۔

فان المال یفنی عن قریب　　　وان العلم یبقیٰ لا یزال

بلکہ گمان کراہت وحرمت قوی است زیرا کہ "ہر کہ در دین خود امین وناقد نباشد درامرِ دُنیا از وچہ امانت خیزد۔"

اللہ تعالیٰ نے اس قربانی وایثار کا سید صاحب مرحوم کو جو اُخروی اجر عطا فرمایا اس کو وہ بہتر جانتا ہے مگر دُنیا میں جو اس کا معاوضہ ملا اس کو دُنیا جانتی ہے، والد نے خدا کے لیے جائداد چھوڑی تھی، خدا نے بیٹے (نواب صدیق حسن خاں مرحوم) کو سلطنت عطا فرمائی وھل جزاء الاحسان الا الاحسان

اس واقعہ کے علاوہ ایک روز تمام اسناد وتمسکات اور شہر قنوج کی جائداد کے کاغذات آگ میں جلا دیے اور فرمایا کہ :

"محتاج چند قطعاتِ زمین وچند باغ برائے معاش نیستم وفی السماء رزقکم وما توعدون۔

شاہ ما رادہ دہ منت نہد　　　رازقِ ما رزق بے منت دہد

اسلام اور مسلمانوں کی خدمت، عبادت، تصنیف وتالیف کے علاوہ صبح وشام ورزش کرنا اُن کا معمول تھا، سپاہیانہ وضع میں ہمیشہ رہا کرتے تھے، شمشیر وعصا کمان وتفنگ سے مسلح رہتے، آپکے پوتے صفی الدولہ حسام الملک نواب سید علی حسن خاں مرحوم نے سیرتِ والا جاہی میں آپ کے حالات لکھے ہیں، آپ کا خاندان لکھنؤ، بھوپال اور قنوج میں موجود ہے۔

اولاد علی مادہویؒ

——(ب)——

باز خاں خالص پوریؒ۔ شیخ باقر علی عظیم آبادیؒ۔ شیخ بخاراییؒ مدرس مدینہ منورہ شیخ بڈھنؒ۔ برکت اللہ بنگالیؒ۔

ارباب بہرام خاںؒ اپنے وطن کے رئیس نامدار اور تونگر تھے، جب سید صاحبؒ کے لشکر سے اپنے وطن کو گئے اور وہاں سے مع اہل وعیال ہجرت کرکے آئے، تمام اپنا مال واسباب ہتھیار اور گھوڑے وغیرہ جو لائے تھے سب حضرت علیہ الرحمۃ کی نذر کیا کہ آپ اس کو بیت المال میں داخل کریں یہاں تک کہ ایک روز بیوی کا کمخابی پیجامہ لاکر دیا کہ اس کو بھی آپ بیت المال میں داخل فرمادیں، آپ نے دو گھوڑے اور دو تلواریں تو رکھ لیں اور باقی سب مال واسباب ہتھیار اور گھوڑے وغیرہ اُنھیں کے حوالہ کیے کہ اپنے لوگوں کو گھوڑے اور ہتھیار دے دیں۔

ارباب صاحب آخر دم تک سید صاحبؒ کے ساتھ رہے اور وفاداری اور اخلاص شعاری کا پورا پورا حق ادا کیا، اس علاقہ کے خوانین میں اُن سے زیادہ صادق ومخلص اور محب باوفا دُوسرا نہ تھا، بالاکوٹ میں اپنے شیخ وامیر اور اپنے مخلص رفقاء کے ساتھ جام شہادت نوش فرمایا اور دفن ہوئے، بعد میں اُن کے خاندان والے اُن کی لاش نکال کر جو محفوظ پائی گئی اپنے وطن لے گئے اور تہکال میں دفن کیا[1]

——(ج)——

مولوی جعفر علی نقویؒ مولوی جعفر علی، سید قطب علی کے بیٹے، بستی کے رہنے والے ممتاز علماء وقت میں سے تھے۔ ایام شباب میں جب سوائے درس وتدریس کے کوئی شغل نہ تھا سید صاحبؒ کا شہرہ بلند ہوا، حاضری کا ارادہ کیا تھا کہ معلوم ہوا کہ حج کے لیے تشریف لے گئے، واپسی پر آپ کے والد ماجد سید قطب علی اور بھائی سید حسین علی سترہ آدمیوں کے ساتھ حاضر ہوئے اور ایک مہینہ خدمت

---

[1] وقائع احمدی

بابرکت میں قیام کرکے خلعتِ خلافت سے ممتاز ہوئے، سید جعفر علیؒ نے پہلے اپنے والد ماجد کے ہاتھ پر بیعت کی، جب سید صاحبؒ سرحد تشریف لے گئے تو والد ماجد کے مع اہل وعیال آنے کی اجازت چاہی لیکن سید صاحبؒ نے اُن کے ضعف وپیری کے پیشِ نظر اجازت نہیں دی، جب ہندوستان سے مہاجرین ومجاہدین کے قافلے روانہ ہونے لگے تو آپ نے والدین سے اجازت چاہی، اُنھوں نے بچشمِ گریاں آپ کو رخصت کیا اور آپ ۲۰ اشخاص کے ساتھ ۹ رمضان المبارک ۱۲۴۵ھ کو اَسب کے مقام پر مجاہدین سے جا ملے[1] اس وقت سے بالاکوٹ کے معرکہ تک آپ ساتھ رہے، آپ سید صاحبؒ کے کاتبِ خاص اور منشی تھے، بالاکوٹ کے حادثہ کے بعد اپنے وطن مجھوا میر واپس آئے، مسلمانوں کی دینی تباہی اور مذہبی بربادی دیکھ کر آپ کے دردمند دل میں بے چینی اور ایمانی حرارت میں غیر معمولی جوش پیدا ہُوا، مسلمانوں کی بگڑی ہوئی حالت کے سنوارنے اور دین سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو شاہراہِ اسلام پر لانے کے لیے کنبہ، قبیلہ، گھربار، عیش آرام چھوڑ گاؤں گاؤں، شہر شہر کا دورہ کرتے رہے اور اپنے جدِ امجد آقا ومولیٰ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی تبلیغ واشاعت میں مرمٹے، آپ کی زبان میں اللہ تعالیٰ نے ایسا اثر رکھا تھا کہ سنگدل موم اور دشمن جاں نثار ہو جاتے، آپ کی توجہ سے ہزاروں تعزیہ دار اور گور پرست تائب ہو کر متبعِ سُنّت ہُوئے، ہزاروں دیوی دیوتا کے پُجاری معبودانِ باطل سے بیزار ہو کر ایسے پکے موحد بنے کہ تقریباً ایک صدی گزر جانے کے باوجود ان گھروں میں دینداری پائی جاتی ہے اور اُن کی اولاد شرک وبدعات کی آفات سے محفوظ ہے۔

ضلع بستی وگورکھپور وچھپرا وگونڈہ وترائی نیپال کی عام مُسلم آبادی کی دینداری حضرت مولانا کی تبلیغی جانفشانی اور اشاعتی سرگرمی کی رہینِ منت ہے۔ حضرت کے حالات وخوارق عادات کا اب تک لوگوں میں چرچا ہے آپ کی محبت سے لوگوں کے دل معمور ہیں، بہت مزے لے لے کر آپ کا ذکرِ خیر کرتے اور کہتے ہیں کہ ہمارے گھروں میں دینداری حضرت مولانا کے قدموں کی برکت سے آئی اور اُنھیں کے صدقہ میں ہم اور ہمارے آبا مسلمان کہلانے کے مستحق ہوئے۔

آپ کی تمام تر توجہ مشرکانہ رسُوم کے مٹانے اور دینی احکام کے رواج دینے کی طرف منعطف رہی،

---

[1] منظورۃ السعداء

اس وجہ سے درس و تدریس، تصنیف و تالیف کا بہت کم موقع ملا، جو تصانیف تھیں بھی وہ اہلِ خاندان کی غفلت اور ناقدردانی کی وجہ سے ضائع ہوگئیں، ایک مختصر مطبوعہ رسالہ در بیان حلت و حرمت جانوران قسم سائبہ و بحیرہ وغیرہ اُردو زبان میں ہے اور منظومۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء (فارسی) کا تذکرہ کتاب کے مآخذ میں آچکا ہے۔ دینی خدمات کے سلسلہ کی ایک کڑی آپ کا قائم کیا ہُوا ایک سو چودہ سالہ علمی تاریخی یادگار مدرسہ ہدایۃ المسلمین کرھی ہے۔ جس کی بنیاد واقعۂ بالاکوٹ سے واپسی کے بعد ۱۲۴۷ھ میں آپ کے مبارک ہاتھوں پڑی تھی، یہ مدرسہ آپ کے وطن مجھوا امیر سے چھ میل کے فاصلہ پر پورب جانب کرھی میں واقع ہے اور بستی سے آٹھ میل پر ہے۔

حضرت کے کوئی فرزند نرینہ نہ تھے۔ ایک صاحبزادی بی بی زینب تھیں ان کا بھی انتقال ہوگیا۔ اور کوئی اولاد نہ ہوئی، آپ کے برادر خورد سید حسن علی کے ایک صاحبزادہ سید محمد زکریا تھے جن کی اولاد مجھوا امیر میں ہے۔

مولانا بمقام مجھوا امیر ۱۲۱۸ھ پیدا ہوئے اور ۱۲۸۸ھ ماہ رمضان مبارک میں یہ علم و عمل و تبلیغ کا چمکتا ہُوا ستارہ ایک عالم کو اپنے علمِ نبوت سے منوّر کرنے کے بعد ستّر برس کی عُمر میں غروب ہوگیا۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ، آپ مجھوا امیر پچھم جانب کے مقبرہ میں مدفون ہیں۔

مولانا نے وفات سے کچھ روز قبل ایک خواب دیکھا تھا جس کا درج کر دینا خالی از لُطف نہ ہوگا جو مولانا کے ایک وصیت نامہ میں درج ہے، مولانا لکھتے ہیں:

> "ایک دن یہ خاکسار شب کو سو رہا تھا کیا دیکھتا ہے کہ ایک مقام عالیشان آراستہ و پیراستہ ہے اور وہاں جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ و جناب مرشدنا سیّد احمد صاحبؒ و جناب مولانا اسمٰعیل صاحب کرسیوں پر بیٹھے ہیں۔ اور بھی چند لوگ ارد گرد کرسیوں پر ہیں مگر ایک کرسی خالی رکھی ہُوئی ہے، کسی صاحب نے پوچھا یہ خالی کرسی کس کے لیے ہے۔ ایک صاحب نے اس محفلِ بابرکت سے جواب دیا کہ یہ کرسی مولوی جعفر علی صاحب کے لیے ہے، پھر یہ مژدہ پاتے ہی آنکھیں کُھل گئیں، اور سجدۂ شکر بجا لایا کہ وہ خالی کرسی دیکھا چاہیئے اللہ کب نصیب کرتا ہے۔"

(از افادات مولانا ہدایت علی صاحب مہتمم مدرسہ ہدایت المسلمین کرھی ضلع بستی)

جواہر خاں لکھنویؒ۔ مولوی شیخ جیونؒ

(چ)

مولوی چشتی کاندھلویؒ

(ح)

حاجی احمد صاحبؒ سید صاحب علیہ الرحمۃ کے مُرید خاص اور اپنے زمانہ کے شیوخ میں تھے، تلاش مُرشد میں مشرق و مغرب کی سیاحت کی اور مُلک مُلک پھرے۔ اللہ نے سید صاحبؒ تک رہنمائی کی، آپ کی تعلیم و فیضِ صحبت سے مقصدِ دلی برآیا اور دولتِ رُوحانی سے مالا مال ہوئے مُرشدِ برحق کبھی کبھی طالبین کو تربیت کے لیے سپُرد فرما دیتے، نواب وزیر الدولہ مرحُوم نے وصایائے وزیری میں آپ کا ذکر کیا ہے۔

مولوی حبیب اللہ قندھاریؒ مولانا عبداللہ غزنویؒ آپ ہی کے مُرید تھے، مُرید کے رنگ سے شیخ کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حسن خاں سندھیؒ

شیخ حسن علی صاحبؒ الٰہ آباد کے قریب ایک دیہات کیا کے رہنے والے تھے۔ وطن میں بدعت و جہالت کی سخت تاریکی پھیلی ہوئی تھی، روزہ دار اور پابندِ نماز عنقا کا حکم رکھتا تھا اور زکوٰۃ و حج کی سعادت تو کیمیا کی طرح نایاب تھی، شیخ صاحب نے پندرہ سال کی عُمر سے ناخواندگی کے باوجود نصیحت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی خدمت انجام دینی شروع کی، اعزار اور اقربا، کو شرک و بدعت سے روکتے وہ جان کے دشمن ہوگئے، آپ کو دیوانہ مشہور کرکے ہتھکڑیوں بیڑیوں میں جکڑ دیا۔ آپ نے اس کی کوئی پرا

نہ کی اور اس گرفتاری میں بھی آزادی کے ساتھ چھ سال تک وعظ و نصیحت اور شرک و بدعت اور فسق و فجور کی برملا مذمت کرتے رہے، ایک مرتبہ ایک عالمِ باعمل آئے اور حقیقتِ حال معلوم کرنے کے بعد اُنھوں نے اُن کے عزیزوں سے کہا کہ یہ شخص ایک دن باکمال ہونے والا ہے ان کو کسی قسم کی تکلیف نہیں دینی چاہیئے اور اُن کی قدر کرنی چاہیے، لوگوں نے یہ سُن کر توبہ کی اور شیخ صاحب کی باتوں پر عمل کرنا شروع کیا، شیخ صاحب نے پہلے سے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے شیخ و مُرشد کو خود یہاں بھیجے گا، اتفاقاً اُنھیں دنوں میں حضرت سیّد صاحبؒ کا اُن اطراف میں تشریف لے جانا ہُوا، آپ نے شیخ صاحب کے حالات سُن کر اُن سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا اور خود تشریف لے گئے، شیخ صاحب نے اپنے تمام اعزا و اقربا کے ساتھ بیعت کی اور مریدین و مخلصین کے زمرہ میں داخل ہُوئے اور حضرت سیّد صاحبؒ کی رفاقت اختیار کی۔

سیّد حمزہؒ (مکّہ مکرّمہ) سیّد حمزہؒ ساکن برہما

سیّد حمید الدین ٹونکیؒ

سیّد حمید الدین ٹونکی عالم و فاضل اور فارسی کے قادر الکلام شاعر و منشی تھے، سیّد صاحبؒ کے بھانجے اور مولوی سیّد مُحمّد علی صاحب تذکرہ مخزنِ احمدی کے بھائی تھے، سفرِ جہاد میں سیّد صاحبؒ کے ہمرکاب تھے، اس سفر کے حالات آپ ہی کے خطوط سے ماخوذ ہیں، نواب وزیر الدولہ مرحُوم کی قدر دانی سے ٹونک میں اپنے بھائیوں اور اعزا کے ساتھ اقامت اختیار کی، سنہ ۱۲۸۲ھ میں وفات پائی، آپ کے دو صاحبزادے تھے، سیّد مُحمّد سعید و سیّد عبد المجید۔

حیات خاں بریلویؒ۔ مولانا حیدر علی دہلوی ثم ہوشیار پوریؒ

مولانا حیدر علی رامپوریؒ

مولانا حیدر علی علامۂ عصر تھے، دہلی میں ولادت ہُوئی، صغر سنی میں رامپور چلے گئے، نحو و عربیت میں سیّد غلام جیلانی و مولانا عبد الرحمٰن قہستانی اور شیخ رستم علی رامپوری کے شاگرد تھے، لکھنؤ میں مُلّا مُبین سے ایک عرصہ تک پڑھتے رہے، پھر دہلی جا کر شاہ رفیع الدین

و شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے استفادہ کیا اور حکیم شریف سے طب پڑھی، حضرت سید صاحبؒ سے طریقت کی تعلیم حاصل کی، ذکاوت، سرعتِ ادراک، جامعیتِ معقول و منقول، کتاب و سنت و اختلافِ ائمہ سے واقفیت، تبحرِ علمی میں سر آمدِ روزگار اور علومِ حکمیہ میں بحرِ زخار تھے، رامپور میں شادی کی اور عرصہ تک وہیں رہے۔ اس لیے رامپوری مشہور ہوگئے، پھر کلکتہ کا سفر کیا، پھر ٹونک تشریف لے گئے، نواب وزیر الدولہ مرحوم نے پوری جوہر شناسی اور قدر دانی فرمائی اور ریاست کا مدار المہام مقرر کر دیا، آپ نے وہیں سکونت اختیار فرمائی، درس و افادہ کا سلسلہ برابر جاری رہا، پرانے ٹونک میں آپ کی مسجد جس میں آپ درس دیتے تھے موجود ہے، شاگردوں میں مشاہیرِ وقت ہیں۔

—— (خ) ——

خدا بخش حمیؒ

مولانا خرم علی بلھوریؒ

مولانا خرم علی مشاہیر علمائے ہند سے ہیں، خاندان مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے شاگرد اور مولانا شاہ محمد اسمٰعیل صاحبؒ کے خاص دوستوں اور ساتھیوں میں سے تھے، ہمیشہ ردِ بدعت اور احیاءِ سنت کی کوشش میں مصروف رہے، توحید و اصلاح اعتقاد میں "تقویۃ الایمان" کی طرح ایک مختصر رسالہ "نصیحۃ المسلمین" لکھا جو نہایت سادہ، مؤثر اور روزمرہ میں ہے، سید صاحبؒ کے خاص معاونین و مبلغین میں سے تھے، اسی زمانہ میں ایک منظوم "رسالہ جہادیہ" لکھا جو نہایت مؤثر اور ہمت آفریں نظم ہے، سید صاحبؒ کی موجودگی میں وہ بعض اوقات جہاد کے موقع پر پڑھی گئی ہے، جب آپ نے تورو سے پشاور کا قصد فرمایا تو یہ نظم پڑھی جا رہی تھی، آپ شرکتِ جہاد کے لیے سرحد سید صاحبؒ کے پاس تشریف لے گئے تھے لیکن کسی وجہ سے واپس تشریف لے آئے، منشی محمد جعفر صاحب سوانح احمدی ص ۲۸۵ پر لکھتے ہیں "افسوس ہے کہ یہ بزرگ باایں ہمہ اوصاف قبل از معرکۂ بالاکوٹ رنجیدہ ہو کر ہندوستان لوٹ آئے تھے۔

آپ کے آباء و اجداد اگرچہ قصبہ بلہور ضلع کانپور کے رہنے والے تھے لیکن ننہالی تعلق سے آپ قصبہ آسیون میں سکونت پذیر رہے، جہاں علم و تصنیف اور وعظ و نصیحت میں مصروف رہ کر ۱۲۷۳ھ کے لگ بھگ

انتقال کیا اور قصبہ آسیون کے قریب آبادی سے شمال مغربی گوشہ میں عیدگاہ کے قریب مدفون ہوئے[1]

آپ نے بہت سے مفید تراجم کیے ان میں مشارق الانوار کا اردو ترجمہ تحفۃ الاخیار، درمختار کا ترجمہ تنویر الابصار (جو مولوی محمد احسن نانوتوی کے تکملہ کے بعد غایۃ الاوطار کے نام سے چھپا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی کتاب "القول الجمیل" کا ترجمہ شفاء العلیل خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ (از افادات حکیم عبدالعلی صاحب آسیونی)

مولوی خیر الدین شیر کوٹیؒ

بڑے عاقل، صاحبِ تدبیر، خوش اخلاقی میں بے نظیر، بڑے امانت دار، راست گفتار، نہایت حلیم الطبع، بڑے بہادر فتوت شعار تھے، سید صاحبؒ کے نزدیک نہایت لئیق اور صاحبِ اعتبار تھے، جہاد میں آپ نے اُن سے بڑے بڑے کام لیے اور سفارتوں پر بھیجا، ایک مرتبہ توپ خانہ آپ کے سپرد کیا، ایک مرتبہ موضع چھتر بائی کا قلعہ دار کیا، ایک مرتبہ موضع لونڈ خوڑ کا تحصیلدار بنایا ایک دفعہ پانچ سو غازیوں کا امیر کر کے مظفر آباد کو رخصت کیا، آپ ہمیشہ صائب مشورے دیتے، بہت ہوش گوش اور متوازن دماغ کے آدمی تھے۔

—(د)—

دین محمد خادمؒ۔ دین محمد کورہستانویؒ

—(ر)—

مولانا رجب علی جونپوریؒ

مولانا رجب علی جون پور کے مشہور فقیہ اور عالم و واعظ تھے، مولانا سخاوت علی جونپوری، مولانا قدرت علی ردولوی اور مولانا احمد علی چڑیا کوٹی سے کتابیں

---

[1] ۱۲۷۳ھ میں قاضی حسین الدین صاحب کو قاضی پرگنہ آسیون مقرر کیے جانے کے متعلق جو صورتِ حال یا محضر لکھا گیا تھا، اس پر شرفاء قصبہ آسیون کے دستخط ہیں، ان میں مولانا مرحوم کے بھی دستخط ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ آپ آخر رجب ۱۲۷۳ھ تک موجود تھے۔

پڑھیں، سیّد صاحبؒ سے بیعت و مُرید تھے، ۱۲۹۶ھ میں وفات پائی۔

شیخ رمضانی مورانویؒ

——(ز)——

سیّد زین العابدین ٹونکیؒ

سیّد احمد علی شہید خواہر زادہ سیّد صاحبؒ کے صاحبزادہ سیّد زین العابدین عرف میاں عابد اسم بامسمّٰی عابد و زاہد، راست گفتار، صداقت شعار، غریب پرور، غریب نواز، ہر وقت زبان پر یادِ الٰہی اور دل میں عزیزوں کی کار برآری اور اُن کی امداد کی فکر رہتی تھی، اعزا میں اگر کوئی ٹونک پہنچ جاتا تو بغیر اس کے کہے اس کی ملازمت کی فکر میں لگ جاتے، بیسیوں اعزا و احباب کو برسرِکار کر دیا۔ نواب وزیر الدولہ مرحوم سیّد صاحبؒ کی وجہ سے اور آپ کے اوصاف اور بزرگی کی بنا پر نہایت احترام کرتے تھے، نہایت سادہ لباس اور متواضع تھے، دُنیا سے بے رغبتی اور خدمتِ خلق و شفقت علی الناس میں سلف کا نمونہ اور اخلاقِ حسنہ میں شرافت کا مجسّمہ تھے، ۹۱ سال کی عُمر میں انتقال کیا۔ رحمۃ اللہ علیہ (سیرت الابرار)

حاجی زین العابدین خاں رامپوریؒ

حاجی صاحب سیّد صاحبؒ کے قدیم معتقد اور بڑے مخلص بے ریا تھے، بڑے عابد و زاہد، صاحبِ باطن و صاحبِ تاثیر، بڑے دیندار و پرہیزگار تھے، ہندوستان میں اُن کی ذاتِ بابرکات سے بہت لوگوں کو ہدایت ہُوئی خصوصاً ملک بنگالہ اور شہر کلکتہ میں بے شمار لوگ اُن کے فیضِ باطنی سے مُستفید ہوئے۔

——(س)——

سادل خاں خیر آبادیؒ

مولانا سخاوت علی جونپوریؒ

مولانا سخاوت علی جونپوری قصبہ منڈیا ہو میں جو شہر جون پور سے ۱۱ میل جنوب میں واقع ہے، ۱۲۲۶ھ میں پیدا ہُوئے، آپ کے والد

مولانا رعایت علی ابن مولوی درویش علی فاروقی ہیں جو حضرت شیخ محمد کوفی فاروقی کی اولاد میں ہیں، حضرت شیخ محمد کوفی کا مزار ظفر آباد متعلقہ جونپور میں مخدوم "چراغ ہند" کی قبر کے متصل ہے، آپ کا سلسلۂ نسب بواسطہ فرخ شاہ کابلی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ مولانا سخاوت علی کا خاندان جونپور کے مشہور رؤسا و شرفا کے خاندانوں میں شمار ہوتا تھا، مولانا رعایت علیؒ "خان" رزیڈنسی کے میر منشی تھے اور دہلی میں اکثر قیام رہا۔ "خان" کا خطاب بھی تھا، مولانا سخاوت علی نے ابتدائی کتابیں مولوی قدرت علی ردولوی مرحوم سے پڑھیں اور پھر مولوی احمد اللہ انامی تلمیذ حضرت مولانا شاہ اسحٰق دہلوی سے تکمیل علوم نقلی و عقلی فرمائی، مولانا عبد الحی دہلوی اور مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی سے بھی تلمذ تھا اور سندِ حدیث حاصل تھی، حضرت سید احمد صاحب شہیدؒ رائے بریلوی سے بیعت تھی، مولانا کی درخواست پر سید صاحبؒ قصبہ منڈیاہو میں بھی تشریف لائے تھے اور بہت سے لوگ مشرف بہ بیعت ہوئے اور مولانا کے اعزا میں سے مولوی فتح علی برادر مولوی فیاض علی مرحوم بیعت کے بعد حضرت سید صاحبؒ کے ہمراہ جہاد میں بھی تشریف لے گئے اور وہیں شہید ہوئے، سید صاحبؒ نے مولوی فتح علی کا نام بدل کر عبد القدوس کر دیا تھا۔

مولانا سخاوت علی تمام عمر درس و تدریس میں مشغول رہے، محض حسبۃً للہ طلبا کو درس دیتے رہے اور اُنکی کفالت بھی کرتے رہے، مولانا کا دولت کدہ ایک مستقل مدرسہ بنا رہا۔ بہار، غازی پور، بنارس، اعظم گڑھ، جونپور کے بکثرت طلبا، مولانا کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے۔ جامع مسجد شاہی جونپور میں ایک مدرسہ قرآنیہ بھی قائم فرمایا جس سے اطراف و اکناف میں بکثرت حفاظ قرآن مجید پیدا ہوئے، تھوڑے دنوں نواب ذوالفقار علی خاں بہادر والی باندہ کے یہاں ریاست باندہ میں بسلسلۂ درس و افتا بمشاہرہ دو سو روپیہ ماہوار قیام رہا لیکن اپنی والدہ کی پیرانہ سالی کا خیال فرما کر وطن واپس چلے آئے اور ملازمت چھوڑ دی اور باوجود اصرار بلیغ نواب صاحب پھر تشریف نہیں لے گئے۔

مولانا نہایت متقی، پرہیزگار اور متبع سنت بزرگ تھے، مولانا کے ذریعہ سے قدیم جاہلانہ رسوم کا ابطال اور مذہبی شعائر کا اجرا بہت ہوا، وعظ و تلقین سے ہمیشہ ردِ بدعات اور اتباعِ سنت کی ترویج و اشاعت میں کوشاں رہے، فتویٰ مدلل لکھتے تھے، اقوالِ فقہا میں سے ہمیشہ اس قول پر فتویٰ دیتے تھے جس کی تائید قرآن و سنت صحیحہ سے ملتی تھی، مولانا کا یہ فیض ہے کہ اب تک جونپور میں کوئی سنی تعزیہ داری نہیں کرتا، مولانا نہایت درجہ باعمل عالم

تھے تمام عمر اول وقت پر مسجد میں باجماعت نماز کا خاص اہتمام تھا، عصر کی نماز ہمیشہ ایک مثل پر اور فجر کی نماز قراءت طویلہ کے ساتھ غلس میں پڑھتے رہے، مشہور ہے کہ جب حج کو جانے لگے تو بعض حضرات نے کہا کہ مکہ معظمہ میں آپکے دو معمولات میں سے ایک میں فرق آجائے گا، یا جماعت چھوٹے گی یا اول وقت مثل کا چھوٹے گا، کیونکہ حرم میں سب سے پہلے حنفیہ کی جماعت ہوتی ہے اور وہ دو مثل پر ہوتی ہے، مولانا نے فرمایا کہ خدا سے مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں باتیں ادا کرادے گا۔ عجیب اتفاق کہ مولانا کے پہنچنے سے ایک ماہ قبل حنفی مصلّی پر ایک مثل پر نماز ہونے لگی اور مولانا کی نیت اللہ تعالیٰ نے پوری فرمادی۔

مولانا کو حضرت سید صاحبؒ کے ساتھ نہایت درجہ حُسنِ اعتقاد اور تعلق تھا، اتباعِ سُنّت، حُسنِ خُلق، تواضع و خود شکنی کی وہ تمام صفات پائی جاتی تھیں جو آپ کی جماعت کے خواص اور تربیت یافتہ و مزکّی نفوس کی خصوصیت ہیں، رسالہ "وصول" میں فرماتے ہیں "اور ان سب میں طریقہ محمدیہ جناب امیر المومنین امام المسلمین امام اوحد سید احمد رضی اللہ عنہ و دامت برکاتہٗ الیٰ یوم القیامۃ سے ظاہر ہوا کہ جامع ہے سب طریقوں کی نسبت کا" الخ اسی میں فرماتے ہیں:

"اس فقیر کو بیعت طریقہ چشتیہ اور قادریہ نقشبندیہ اور مجددیہ اور محمدیہ امیر المومنین سبط سبط اکبر مجدد ثالث عشر امام اوحد سید احمد دامت برکاتہ الیٰ یوم التناد سے ہے اور اجازت بیعت لینے کی بھی حاصل، اس ذکر کو بطور تبرک و انتساب کے کیا تاکہ کوئی اہل اللہ اس گھر کا غلام سمجھ کر دعا یاد کرے اور فقیر نجات پاوے ورنہ ننگ فقر درویش ہوں فقیر کہاں اور یہ نسبت عالی کہاں"۔ [1]

مولانا کی استعداد علمی اور ذہانت و قابلیت اور مولانا کے صحیح خیالات کا آئینہ خود مولانا کی تحریریں اور تصانیف ہیں، اگرچہ مولانا کو کثرت درس سے تصنیف و تالیف کا موقع بہت کم ملتا تھا جو تصانیف تھیں اُن میں سے بھی بعض ناپید ہوگئیں اور جو پائی جاتی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

---

[1] منقول از رسالہ حسن البیان مصنفہ مولانا ابو موسیٰ محمد عیسیٰ پشاوری

التقویم فی احادیث النبی الکریم (مطبوعہ صدیقی پریس بنارس) رسالہ تقویٰ در ردِ بدعات، رسالہ اسلم در علم منطق، یہ رسالہ سلم کے مقابلہ میں نہایت مختصر اور جامع ہے، اس رسالہ کی ایک شرح مولانا علی نعمت پھلواری نے لکھی اور ایک شرح مولانا عبدالوہاب بہاری نے اسّی جزو میں لکھی ہے، عقائد نامہ اُردو، رسالہ کلمات کفر، رسالہ اسرار ور فقہ، وصیت نامہ، رسالہ عرفان الاوقات در تحقیق نماز پنجگانہ، جوابات سوالات تسعہ از مولوی شیخ محمد مچھلی شہری قاضی بھوپال، ان جوابات میں تقلید صحیح اور حدیث قلتین اور ماء کثیر وقلیل کی بہت لطیف بحثیں ہیں، ان جوابات میں مولانا کے عقائد وخیالات پر بہت صاف روشنی پڑتی ہے، یہ تمام رسائل چھپ گئے ہیں لیکن اب کمیاب ہیں، رسالہ عرضِ نیک در مناظرہ شیعہ غیر مطبوعہ۔

مولانا کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے، خصوصاً اضلاع شرقی و بہار میں بکثرت ہیں، چند نام درج ذیل ہیں :

مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادی، مولانا رجب علی جونپوری، مولانا محمد شریف جونپوری، مولانا غلام محمد جگدیس پوری، مولانا قاضی شیخ محمد مچھلی شہری، مولانا سید محمد یعقوب دسنوی بہاری، مولانا سید مصطفےٰ اشیر دسنوی بہاری مدرس مدرسہ خانقاہ سہسرام، مولانا شجاعت حسین بہاری، مولانا محمد ظہیر الحق نیموی، مولانا غلام جیلانی جارینہ نوری خانہ پوری، مولانا فیض اللہ موی اعظم گڑھی، مولانا رحیم اللہ ساکن ضلع بستی۔

مولانا نہایت خوش رو، کشیدہ قد، گندم گوں بدن تھے، آخر عمر میں بدن زیادہ بھاری ہوگیا تھا، کپڑا نہایت صاف وسادہ پہنتے تھے، بہت خوش خوراک تھے، مولانا کا دسترخوان بہت وسیع رہتا تھا، ٹھنڈے پانی کا بڑا اہتمام ہوتا تھا، اُس زمانہ میں جب کہ برف کا رواج بھی نہ تھا، ٹھنڈا پانی مہیا کرنا خاص مشکل کام تھا، آموں کا بہت شوق تھا، علاوہ خانہ باغ کے آموں کی فصل میں پانچ پانچ سو روپے کے آم خود کھاتے اور طلباء کو کھلاتے تھے، کبھی کبھی دسترخوان پر نفیس ترین غذا کو ہاتھ نہ لگاتے اور ایک سادی غذا پر قناعت کرتے۔

مولانا کے والد کے انتقال کے بعد مولانا کی تعلیم حضرت مفتی محمد غلام نبی ملک کی ماموں کے گھر جونپور میں رہی اور مولانا کی پہلی شادی انہی کی لڑکی سے کردی، اس بیوی کے بطن سے دو صاحبزادے مولوی محمد اور مولوی محمد جنید

اور ایک صاحبزادی ہوئی، پھر اہلیہ نے انتقال کیا۔ مولانا کی دوسری شادی قاضی محمد ضیاء اللہ سب جج کی صاحبزادی سے ہوئی، آپ کے بطن سے بھی دو صاحبزادے مولوی محمد شبلی اور مولوی ابوالخیر محمد مکی اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئی۔ چاروں بیٹے عالم ہوئے، مولوی محمد اور مولوی محمد جنید نوجوان وفات فرما گئے اور مولوی ابوالخیر مکی کی اولاد جونپور میں ہے۔

آخر عمر میں ہندوستان کے مشہور ہنگامہ ۱۸۵۷ء سے چھ ماہ قبل مولانا امیر علی صاحب شہیدؒ کی شہادت کے بعد مولانا ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے، اہلیہ ساتھ تھیں، مولوی مکی وہیں پیدا ہوئے، مولانا وہیں اپنے اوقات عزیز خدا کی عبادت میں صرف کرتے، اور درس و تدریس میں مشغول رہتے، بالآخر شوال ۱۲۷۴ھ میں انتقال فرمایا۔ اور جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے۔

(از افادات مولانا ابوبکر محمد شیث صاحب فاروقی مرحوم سابق ناظم شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڑھ نبیرۂ مولانا سخاوت علیؒ)

سید سراج الدین رائے بریلویؒ

مولانا سید سراج الدین ہسویؒ

مولانا سید سراج الدین بن سید مہدی الحسینی الواسطی ہسوی، حضرت سید صاحبؒ کے مریدین مجاز میں سے تھے اور آپ سے خاندانی تعلق بھی تھا، زہد و ورع، سخاوت و مروت، شہامت و جلاوت، علم و ذکاوت میں نوادرِ روزگار میں سے تھے اور بقول صاحب نزہۃ الخواطر ان اوصاف میں ضرب المثل تھے۔ آپ کے والد حضرت شاہ مہدی کاملین طریقت اور حضرت شاہ علی اکبر مودودی فیض آبادی کے خلفاء میں سے تھے، آپ کے دوسرے بھائی حضرت شاہ ابوالقاسم حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلویؒ کے خلفاء میں سے تھے، آپ کے صاحبزادے اور مولانا سراج الدین کے بھتیجے اور داماد مولانا سید عبدالسلام ہسوی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت شاہ احمد سعید دہلویؒ مشائخ وقت اور اکابر علماء میں سمجھے

مولوی سید سعید الدین رائے بریلویؒ

مولوی سید سعید الدین رائے بریلوی سید صاحبؒ کے بنی اعمام میں سے تھے، لکھنؤ میں مولوی محمد حیات مرحوم سے درسیات کی تعلیم حاصل کی۔ کلکتہ میں بابو راما پرشاد کے جو امرائے کلکتہ میں سے تھے ملازم ہو گئے، ان کی معیت میں دہلی اکبر شاہ

کی خدمت میں آئے اور خلعت سے سرفراز ہوئے، اکبر شاہ کی طرف سے بابو راما پرشاد اور مولوی سعید الدین کا سفارت کے لیے لندن جانا طے ہُوا۔ اس ارادہ سے کلکتہ آئے مگر دونوں کا جانا نہیں ہو سکا، کلکتہ کے قیام میں ایک انگریز سے انگریزی پڑھی اور بابو راما پرشاد کی ترغیب سے وکالت کا امتحان دیا اور مظفر پُور میں وکیلِ سرکار مقرر ہوئے۔ پندرہ سال کمال لیاقت و دیانت اور نیک نامی کے ساتھ وکالت کی۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد خانہ نشین ہو گئے، زمینداری خرید لی، باغات لگوائے اور خدمتِ خلق، غربا پروری، اعزا نوازی اور دین و دُنیا کی جامعیت کے ساتھ کمال عزّت و حرمت و نیک نامی سے زندگی گزار کر اسّی برس کی عُمر میں ۱۲۹۳ھ میں انتقال کیا۔ آپ کی سادگی، تواضع، غریب نوازی، شفقت اور حُسنِ انتظام کے قصّے خاندان میں زبان زدِ خاص و عام ہیں، آپ کے دو صاحبزادے تھے، مولوی سیّد رشید الدین اور حضرت شاہ ضیاء النبیؒ۔

سیّد محمّد لہارویؒ

—(ش)—

میر شاہ علیؒ۔ مولوی شجاعت علی عظیم آبادیؒ۔ شیخ شمس الدین مصریؒ و عظ بیت الحرام۔ شمشیر خاں جمعدار مورانویؒ۔ مولوی شہاب الدین ٹبالویؒ۔ اخوند شاہ محمّد ولایتیؒ۔

—(ص)—

سیّد صبغۃ اللہ ولایتیؒ۔ حافظ محمّد صدیقؒ۔

شیخ صلاح الدین پھلتیؒ نہایت مخلص، بڑے مطیع، نہایت دیندار اور پرہیزگار تھے۔ سیّد صاحبؒ کی اطاعت کے باب میں کامل اور ثابت قدم، مولوی محمّد یُوسف صاحب کے بعد اگر تھے تو وہ تھے، مولانا عبدالحی صاحب کے چچازاد بھائی تھے، جب پنجتار میں اُن کی وفات ہُوئی تو سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ شیخ صلاح الدین ہمارے لشکر کے قطب تھے[1]

[1] وقائع احمدی

—(ط)—

قاضی طیبؒ

—(ظ)—

مولانا سید محمد ظاہر رائے بریلویؒ

مولانا محمد ظاہر ۱۱۹۸ھ سے ۱۲۷۹ھ مولانا سید محمد ظاہر بن سید غلام جیلانی بن سید محمد واضح، بن سید محمد صابر، بن سید آیت اللہ، بن شاہ علم اللہ، سید صاحبؒ کے بنی اعمام میں سے ہیں۔ محمد ظاہر تاریخی نام ہے۔ ابتدائی درسی کتابیں اپنے حقیقی چچا مولانا سید قطب الہدیٰؒ (تلمیذ حضرت شاہ عبد العزیزؒ) سے پڑھیں، پھر ملک العلماء مولانا عبد العلی بحر العلوم کے دو شاگردوں مولانا ذوالفقار علی دیوی اور مولانا عبد الجامع سیدن پوری سے تکمیل کی اور اکابر علماء عصر سے استفادہ و مذاکرہ کیا، سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلوک کی تکمیل کر کے خلافت حاصل کی اور آپکی معیت میں ۱۲۳۸ھ میں حج کیا، سالہا سال آپ کے ساتھ رہے، تقریر دلپذیر، خشونت و نفسانیت سے پاک ہوتی تھی۔ متفق علیہ مسائل کو ہمیشہ بیان کرتے، فقہ کے جزئی مسائل پر نظر غائر رکھتے، مسائل کی تنقیح اور احادیث کی تحقیق کا اہتمام تھا۔ رائے بریلی، غازی پور، اعظم گڑھ، جون پور وغیرہ میں آپ کے فتاویٰ و فیصلوں کا بڑا اعتبار تھا اور اُن دیار میں فتاویٰ کے آپ سب سے بڑے مرجع تھے۔ طرق خمسہ چشتیہ، قادریہ، مجددیہ، نقشبندیہ، محمدیہ میں آپ کو خلافت حاصل تھی، لیکن بیشتر طریقۂ قادریہ میں بیعت لیتے تھے، سلوک طریقت میں ایک مفید رسالہ خیر المسالک کے نام سے تصنیف فرمایا جو طالبینِ سلوک کے لیے بہت مفید ہے۔ مولوی سید خلیل الدین صاحب مرحوم نکہوی نے اس کو طبع کرایا، اس کے علاوہ عربی، فارسی میں آپ کے دوسرے رسائل و تصنیفات ہیں، اس علم و عرفان کے ساتھ فنون سپہ گری خصوصاً بانک و بنوٹ، بندوق لگانے میں اساتذہ وقت میں سے تھے، صحت و حرمت کے ساتھ زندگی بسر کر کے ۸۲ برس کی عمر میں انتقال فرمایا، "آہ سید محمد ظاہر" تاریخ وفات ہے۔ اولاد نرینہ نہ تھی، اولادِ دختری میں ایک نواسے مولانا حکیم سید فخر الدین مرحوم اور پانچ نواسیاں تھیں، آپ کی صاحبزادی فاطمہ بی بی (اہلیہ مولوی سید عبد العلی نصیر آبادی مرحوم) نہایت خوش اوقات اپنے زمانہ کے لحاظ سے تعلیمیافتہ اور خاندان میں بہت باوقار بیوی تھیں۔

بد و شعور سے تا دم مرگ فرائض و سُنن، رواتب و تہجد، اوابین و سنن چاشت و اشراق و نوافل طاعات تلاوت قرآن مجید، مطالعۂ رسائل فقہ و حدیث اور اذکار کی پابند تھیں، ترجمہ مشارق الانوار، مشکوٰۃ المصابیح، مفتاح الجنۃ، ضمان الفردوس و حکایات الصالحین و طب احسانی و رسالہ خوانِ نعمت وغیرہ کا مطالعہ رہتا تھا، بچوں اور عورتوں کے علاج میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ (تذکرۃ الابرار)

منشی ظہور علیؒ

—(ع)—

سید عبدالجلیل رائے بریلویؒ

سید عبدالجلیل رائے بریلوی، آپ کے والد حافظ سید محمد حضرت سید صاحبؒ کے حقیقی ماموں زاد بھائی اور سید ابواللیث کے صاحبزادہ ہیں جو مشائخ خاندان میں سے تھے، سید عبدالجلیل اپنے وقت کے مشائخ اور سید صاحبؒ کے خاندان کے اکابر میں سے تھے، ۱۳۰۰ھ میں انتقال فرمایا، آپ کے پانچ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں سید عبدالسلام، سید عبدالقیوم، سید عبدالحفیظ، سید عبدالرب، سید عبدالرشید، کلثوم بی

مولانا عبدالجلیل کوئلیؒ

مولانا عبدالجلیل کوئلی، ۱۲۲۵ھ یا ۱۲۲۷ھ علی گڑھ کے رہنے والے، عالم محدث اور صاحب مناقب و فضائل بزرگ تھے، حدیث شاہ اسحٰق سے پڑھی اور پورے طور پر اس میں انہماک کیا، سید صاحبؒ سے بیعت تھے اور تمام عمر آپ کے طریقہ پر قائم رہے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں شہید ہوئے۔ (نزہہ)

حاجی عبدالرحیم سہارنپوریؒ

حاجی عبدالرحیم سہارنپوری حسینی افغانی تھے، طریقۂ قادریہ میں شاہ رحم علی المتیضی لساڈھوری اور طریقۂ چشتیہ میں شاہ عبدالباری امروہی سے بیعت تھے پھر سید صاحبؒ سے بیعت ہوئے، سیرۃ سید احمد شہید میں آپ کا ذکر آیا ہے میاں جی نور محمد جھنجھانوی (شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ) کے شیخ تھے، سفر جہاد میں سید صاحبؒ کے ہمرکاب تھے شہادت سے سرفراز ہوئے۔

مولانا عبدالحق بنارسیؒ

مولانا عبدالحق بنارسی ۱۲۰۶ھ ۱۲۷۶ھ، علماء اہل حدیث اور شاہ اسمٰعیل و مولانا عبدالحی کے تلامذہ میں سے تھے، طلب حدیث کے شوق میں یمن کا سفر کیا اور قاضی محمد بن علی شوکانی، قاضی عبدالرحمٰن بن احمد بن الحسن البہکلی، شیخ عبداللہ بن محمد بن اسمٰعیل الامیر الیمانی اور شیخ محمد عابد بن احمد علی السندی سے استفادہ کیا اور حدیث کی عام اجازت حاصل کی۔ (نزہہ)

قاضی عبدالصمد افغانیؒ

مولانا عبدالعلی نصیر آبادیؒ

مولانا عبدالعلی نصیر آبادی، کتب درسیہ اساتذہ لکھنؤ سے پڑھیں اور حدیث و تفسیر وغیرہ کی تکمیل مولانا سید محمد علی رامپوری (خلیفہ حضرت سید صاحبؒ) سے کی اور اجازت حاصل کی، بیعت طریقت اپنے خاندان میں حضرت سید صاحبؒ سے تھی اور آپ سے تعلق کے اثرات اور خاندانی برکات بخوبی نمایاں تھے، آپ کے صاحبزادہ مولوی حکیم سید فخرالدین خیالی "مہر جہاں تاب" (فارسی) میں لکھتے ہیں کہ:

" از ہر زماں و متقی دوراں تھے، ریاست ناگود (بندیلکھنڈ) میں تحصیلدار اور منصف تھے، معقول مشاہرہ تھا مگر تعلق دنیا اور سلسلۂ ملازمت کے باوجود باہمہ و بےہمہ تھے، دل بیار اور دست بکار کا مضمون تھا، نہایت خوش اوقات ذاکر و شاغل بزرگ تھے، اشراق پڑھ کر مصلّٰی سے اٹھتے، عصر تک سرکاری کام انجام دیتے، عصر کے بعد تسبیح در دست، اوراد برلب مصلّٰی پر بیٹھے رہتے اور نماز مغرب تک کسی سے بات نہ کرتے اس کے بعد عشاء کی نماز تک وظائف وغیرہ میں مشغول رہتے، کھانے پینے میں نہایت محتاط تھے، کسی فریق مقدمہ کے ہاں کھانا نہ کھاتے، نہ اس کا تحفہ قبول کرتے، منہیات شرعیہ سے بغایت مجتنب تھے، اس قرب و جوار کے لوگ آپ کی برکت اور فیض صحبت سے متشرع اور پابند صوم و صلوٰۃ ہوگئے، پوری تنخواہ مستحقین اور مسافروں اور اعزاء و اقرباء

کی خدمت میں صرف ہو جاتی اور اپنے لیے دو ایک جوڑے سادے کپڑوں کے سوا کچھ نہ ہوتا، جو شخص آپ کے پاس آتا اس کو ملازم رکھوا کر اس کے کھانے پینے کا انتظام کرتے، اکثر پیدل چلتے، اپنے ساتھ پیادہ خدمتگار نہ لیتے، مجلس میں مخصوص جگہ نہ بیٹھتے، گفتگو میں ضد یا اصرار نہ کرتے، حق فوراً قبول کر لیتے، کسی ادنیٰ اعلیٰ پر خفا نہ ہوتے، نوکروں کی غلطی اور قصور سے اغماض کرتے، غیبت زبان پر نہ آتی، کھانا جو سامنے آجاتا کھا لیتے، کھانے کی برائی نہ کرتے، اگر نمک کم ہوتا تو بھی نہ کہتے، انکسار و سادگی کا یہ عالم تھا کہ کبھی تخت پر سو رہتے، کبھی کرسی پر، کبھی زمین پر، صناعی و کتابت خطِ نسخ و نستعلیق، طغرا کشی، صنعتِ نجاری، زرگری و ترصیع میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، چالیس برس کی عمر میں ۱۲۶۹ھ میں ناگو میں وفات پائی، آخری کلمہ زبان پر "بالرفیق الاعلیٰ" تھا، اس کفرستان میں پہلی مسجد جو آپ کی سعی سے تیار ہوئی تھی، اس کے جوار میں دفن ہوئے:

مولانا عبدالقیوم بڈھانویؒ

۱۲۳۱ھ - ۱۲۹۹ھ مولانا عبدالحی بڈھانویؒ کے نامور صاحبزادہ، وقت کے مشہور علماء و صلحاء میں سے تھے: بچپن میں سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کی، مولانا محمد یعقوب اور شاہ اسحٰق سے علم حاصل کیا، سید صاحبؒ کے ایک مرید شاہ محمد عظیم سے طریقت کی تعلیم حاصل کی، نواب سکندر بیگم نے بھوپال کی اقامت کے لیے اصرار کیا اور عہدۂ افتا سپرد کیا اور جاگیر نذر کی، اپنے والدِ نامدار، جدِ بزرگوار اور خاندان ولی اللٰہی کے قدم بقدم اور ان کی برکات کے وارث تھے، مناقب و فضائل کے لیے دفتر درکار ہے۔

اخوند عبدالعظیمؒ

مولانا عبداللہ علویؒ

مولانا عبداللہ علوی شمس آباد کے رہنے والے علماءِ عصر میں سے تھے، شاہ اسمٰعیلؒ کے شاگرد اور ادب و شاعری، انشا اور طب میں کمال رکھتے تھے، دہلی سے فرخ آباد آئے جہاں نواب محمد علی خاں مرحوم نے آپ کی خدمات حاصل کیں، سید صاحبؒ کی مدح میں مولانا کے

بلیغ قصائد میں۔ وفات ۱۲۶۲ھ۔ (نزہہ)

مولانا عبد الہادی جھوکویؒ

مولانا عبد الہادی جھوکوی ۱۲۰۵ھ سے ۱۲۶۵ھ۔ ایک ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے، انگریزی تعلیم حاصل کی اور قانون کا مطالعہ کیا اور ٹپنہ وکالت کا امتحان دینے گئے۔ وہاں سید صاحبؒ کی زیارت ہوئی، آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور آپ کے ہمرکاب ہو گئے۔ شاہ سمعیلؒ سے تعلیم حاصل کی، مولانا ولایت علی عظیم آبادی، مولانا اولاد حسن قنوجیؒ اور شاہ اسحٰق سے تکمیل کی۔ سید صاحبؒ نے آپ کو سارن اور چمپارن میں اپنا نائب بنا دیا، وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ سے بہت فیض پہنچایا اور ہزاروں کو ہدایت نصیب کی۔ (نزہہ)

مولانا علی احمد ٹونکیؒ

مولانا علی احمد ٹونکی، علمائے صالحین میں سے تھے، مولانا عبد الخالق دہلوی اور شاہ اسحٰق صاحب سے تعلیم حاصل کی اور شاہ صاحبؒ سے حدیث کی روایت کی، ــــھ میں سندھ گئے، پھر سید صاحبؒ کے قافلہ سے جا ملے، واقعۂ بالاکوٹ کے بعد اس کے ساتھ ٹونک آئے، نواب وزیر الدولہ نے خیر مقدم کیا اور دفتر آپ کے سپرد کیا۔ (نزہہ)

قاضی عماد الدینؒ

مولانا عنایت علی غازیؒ

مولانا عنایت علی غازی ۱۲۰۷ھ سے ۱۲۷۴ھ، مولانا ولایت علی علیہ الرحمۃ کے دست و بازو اور حضرت موسیٰؑ کی دعا وَاجْعَلْ لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي هَارُونَ أَخِي اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي کے مصداق تھے، سید صاحبؒ سے بیعت کے بعد سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہے اور آپ کے حسب ارشاد تبلیغ و جہاد کے کام انجام دیتے رہے لیکن آپ کے جوہر اُس وقت کھلے جب سید صاحبؒ کی شہادت کی خبر سے ہندوستان میں انتشار و جمود پیدا ہو گیا اور مولانا ولایت علی نے احیاء و تنظیم کا مرکز عظیم آباد پٹنہ کو قرار دیا (تفصیل "سیرۃ سید احمد شہید" حصہ دوم کے باب چہارم میں گزر چکی ہے) اس وقت آپ مولانا ولایت علی کے قوتِ بازو بن گئے اور خصوصاً بنگال میں آپ نے مولانا کی پوری نیابت

امارت وامامت اصلاح وارشاد کے اُپ نے فرائض انجام دیے، ہندوستان کی عام اور صوبہ بنگال کی خاص تنظیم کے جو محیر العقول واقعات، مسلمانوں کی عظیم الشان تنظیم کے ماتحت اور جہاد و سرفروشی کی جو ولولہ انگیز حکایات سرحدی جنگوں کے سلسلہ میں گزر چکی ہیں، اُن میں مولانا عنایت علی غازی کا خاص دخل اور حصہ ہے، ہمہ حد پر عرصہ تک اسلامی فوجوں کے قائد اور جماعت مجاہدین و مہاجرین کے امیر آپ ہی رہے ہے سید ضامن شاہ کو کاغان میں اور اکبر شاہ کو سوات میں مدد دیتے رہے، آپ کا وجود حکومت کی نظر میں ہمیشہ کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا، اور حکام کی رپورٹوں اور انگریز مصنفین کی تاریخوں میں آپ کا نام مولانا ولایت علی علیہ الرحمۃ کے نام کے ساتھ آتا ہے۔

(از افادات مولوی عبد الغفار صاحب صادق پوری)

سید عبد الباقی رائے بریلویؒ

سید عبد الباقی رائے بریلوی، سید صاحبؒ کے بنی اعمام میں سے تھے۔ ذی علم و وقار، صاحب ہمت، سخاوت و ایثار، جفاکش، زاہد و عابد، فارسی و اُردو کے شاعر، مصحفی اور مرزا قتیل کے شاگرد، بزرگوں اور علماء کے اور شعراء کے صحبت یافتہ، رائے بریلی کے رؤسا، اور دربار اودھ کے عہدیداروں میں سے تھے، جماعت وتلاوت کے بیحد پابند، ۹۰ برس کی عمر میں ۱۲۹۳ھ میں انتقال کیا، آپ کے دو صاحبزادے تھے، سید عبد الوہاب خلیفہ مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ اور سید عبد القادر۔

مولوی عبد القدوس کشمیریؒ، سید عبد اللہ ولد بہادر علیؒ، مولوی عبد اللہ بنارسیؒ، مولوی عبد الحلیمؒ ساکن بمبئی، مولوی عبد اللہؒ، شیخ محمد عمرؒ مفتی مکہ مکرمہ، سید عقیلؒ، عمر بن عبد الرسول محدثؒ، عبد الرزاق دیوبندیؒ، سید عبد الرحمٰن سیالیؒ، عباد اللہ مئوؒ، سید عبد الرحمٰن سندھیؒ، عبد الباقی خاں قندھاریؒ، عبد الجبار مورانویؒ، عبد المجید خاںؒ جہاں آبادی رائے بریلوی، علی حسن گنتوریؒ،

—— (غ) ——

مولانا غلام جیلانیؒ

رامپور وطن، عالم باعمل، علوم ظاہری و باطنی کے جامع اور شہر کے اکثر علماء و اساتذہ کے اُستاد تھے، صاحب اجازت شیخ اور پیر طریقت تھے، سید صاحبؒ

کی تشریف آوری رامپور سے پہلے آپ نے مراقبہ میں دیکھا کہ آفتاب شہر کے ایک دروازہ سے داخل ہوا، اور دوسرے دروازہ سے نکل گیا، آپ نے اس کی صورت دیکھی اور زیارت کا شرف حاصل کیا، اس کے بعد ہی حضرت سید صاحبؒ کی تشریف آوری ہوئی اور آپ اسی دروازہ سے داخل ہوئے، آپ نے اپنے خواب کی یہی تعبیر لی حاضرین کا ہجوم و ازدحام تھا، آپ بھی تشریف لائے، تعبیر کو خواب سے مطابق کیا، بیتابانہ بیعت کی، ۱۵ دن حضرت کا رامپور میں قیام رہا، مولانا نے اس عرصہ میں وہ فوائد باطنی حاصل کیے جو دوسروں کے لیے بڑی مدت میں بھی مشکل ہیں، آپ کو حضرت کے ساتھ بے انتہا اعتقاد تھا، باوجود علم و فضل مشیخت و کبر سنی کے سید صاحبؒ کے تشریف لے جانے کے وقت آپ کے رکاب میں پیادہ پا دوڑتے تھے، سید صاحبؒ منع فرماتے تو آپ تعمیل حکم میں کھڑے ہو جاتے اور زار و قطار روتے اور کہتے کہ اے کاش جوانی کی قوت ہوتی تو رکاب عالی میں برابر دوڑتا رہتا۔

(وصایائے وزیری)

حکیم غلام سبحانی جھنجھانویؒ

شیخ غلام علیؒ رئیس اعظم الٰہ آباد

حضرت شیخ غلام علی صاحبؒ قصبہ مہرونڈہ میں پیدا ہوئے اور بعد شہادت یہیں مدفون ہوئے، شیخ صاحب کا مکان جو کوٹ گڈھی کے نام سے مشہور تھا بطور ایک مضبوط قلعہ کے تھا وہ بالکل مسمار ہو چکا ہے، صرف ایک پختہ حمام باقی ہے، جہاد پنجاب کے موقع پر روپیہ کی فراہمی اور مجاہدین کی روانگی کا انتظام شیخ صاحب کے متعلق تھا، خبر رسانی و آمد و رفت میں موجودہ آسانیاں نہ ہونے کے باوجود اورنگ آباد، ڈھاکہ جیسے دور دراز مقامات سے شیخ صاحب کے تعلقات قائم تھے، روپیہ و اسلحہ میں جو کمی ہوتی تھی، جس طرح ہوتا تھا وہ اپنے پاس سے پوری کرتے تھے، یہاں تک کہ انھوں نے اپنی کل دولت، علاقہ، مکان مسکونہ تک اس جہاد میں قربان کر دیا، جزاہ اللہ خیر الجزا، گڈھی جس میں نہایت عالیشان پختہ مکانات تھے، ایک لاکھ روپیہ قرض میں مکفول تھی، شہادت کے کچھ عرصہ کے بعد الٰہ آباد سے مہاجن آیا اور جس قدر لکڑیاں وغیرہ تھیں، کھدوا کر الٰہ آباد لے گیا اور گڈھی کو ایک کھنڈیل کی صورت میں چھوڑ گیا، خیریت یہ ہوئی کہ گڈھی کے نیچے جس قدر فیل خانے و اصطبل تھے وہ بار کفالت سے محفوظ تھے، ان کی اولاد نے انھی

میں سکونت اختیار کی، جائداد کا بیشتر وہی حصّہ اُن کی اولاد میں باقی رہا جو عورتوں کے نام تھا[1]

الٰہ آباد میں پندرہ روز تک شیخ غلام علی نے سارے قافلہ کی دعوت کی، شیخ صاحب ایک ہزار روپیہ روزانہ دعوتِ قافلہ پر خرچ کرکے عمدہ عمدہ کھانے پکوا کر کھلاتے تھے، وہ کھانا بھی اس کثرت سے آتا تھا کہ صدہا مساکین الٰہ آباد کے پندرہ روز تک قافلہ کے ساتھ ہی کھاتے رہے، الٰہ آباد تک پہنچنے میں تعداد مردمانِ قافلہ کی سات سَو ہوگئی تھی، شیخ غلام علی صاحب نے تیرہ ۱۳ عدد خیمے اور ہر ایک حاجی کے واسطے ایک ایک جوڑہ پارچہ احرام اور ہر ایک اہلِ قافلہ کے واسطے ایک ایک روپیہ نقد اور حضرت کے قرابت داروں کے واسطے دس۱۰ دس۱۰ روپیہ نقد اور خود حضرت کے واسطے چار ہزار پانچ سو روپیہ نقد نذر کیے[2]

شیخ صاحبؒ کے تقویٰ وطہارت کے متعلق لکھنا غیر ضروری ہے، یہی کافی ہے کہ حضرت سید صاحبؒ کے مخلص مُریدین میں سے تھے۔ مرید ہونے کے بعد اُنھوں نے ہمیشہ موٹا کپڑا استعمال کیا اور بغیر بستر بچھائے کھُلی چارپائی اور چھوٹی چارپائی پر کہ پیر نہ پھیلائے جاسکیں، سونے لگے، بعد ختمِ جہادِ پنجاب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ شوقِ شہادت میں ہر وقت سرشار نظر آتے تھے، بار بار اس کا ذکر فرماتے تھے، ایک روز کہنے لگے کہ تمنا پُوری ہونے کا وقت آگیا، کفار کی چند منظم جماعتیں جو ہمہ وقت شیخ صاحبؒ کی تاک میں رہتی تھیں، جب مقابلہ ہُوا مغلوب ہُوئیں، جس دن شہادت ہوئی ہے، ہاتھی منگوایا اور فیلبان کو ساتھ لے کر خلافِ معمول تنہا روانہ ہُوئے، الٰہ آباد، بنارس کے مابین کفار سے معرکہ ہُوا، پہلے فیلبان پھر آپ شہید ہُوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہاتھی لاش لے کر روانہ ہُوا، گڈھی کے پھاٹک پر آکر جھکا، سب پہنچ گئے، لاش اُتاری گئی، ہاتھی بھی اُسی وقت اُسی جگہ مرگیا، گڈھی کے متصل پھلواری قبرستان میں آپ کو دفن کیا گیا، قریب ہی ہاتھی بھی ایک کھیت میں دفن ہے، آپ کی قبر پر نہ عمارت ہے نہ چاروں طرف کوئی احاطہ ہے خام قبر سطح زمین سے کسی قدر بلند درخت نیم سے متصل پچھم کی طرف واقع ہے۔[3]

---

[1] ازافادات نصراللہ صاحب (مہرونڈہ ضلع الٰہ آباد) یکے از اولاد دختری شیخ غلام علی صاحب۔ [2] سوانح احمدی

[3] ازافادات نصراللہ صاحب (مہرونڈہ ضلع الٰہ آباد) یکے از اولاد دختری شیخ غلام علی صاحب۔

غلام نبی خاںؒ

—(ف)—

مولانا فتح علیؒ مولانا فتح علی، جونپور کے رہنے والے، شہر کے سربرآوردہ علماء میں سے تھے، سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کی، آپ نے نام بدل کر عبدالقدوس کر دیا، آنکھیں جاتی رہی تھیں مگر نورِ باطنی کا شوق کشاں کشاں جون پور سے تکیہ لایا، سید صاحبؒ نے حاجی احمد صاحب کے سپرد کر دیا، آپ نے اُن سے فائدہ اُٹھایا لیکن شوق اس سے زیادہ چاہتا تھا، ایک مرتبہ سید صاحبؒ مکان میں داخل ہو رہے تھے کہ از خود رفتہ ہو کر آپ کا دامن پکڑ لیا اور عاشقانہ شعر پڑھا، آپ نے فرمایا کہ اب تم میرے حلقہ میں بیٹھا کرو، اللہ تعالیٰ آرزو پوری کر دے گا، چند دنوں میں بڑے بڑے منازل سلوک طے کر لیے اور مرجعِ طالبین بن گئے، طالبین کی صلاح و ترقی باطن میں ہمیشہ کوشاں رہتے۔

مولوی فرحت حسینؒ آپ کی ولادت ۱۲۲۶ھ میں ہوئی، آپ کو اپنے والد اور اپنے برادرِ معظم سے تلمذ و سند تھی، آپ حافظ و قاری بھی تھے، مولانا ولایت علی کے حضر میں نائب اور بعد سفر ملک افغانستان آپ کے جانشین ہوئے اور آپ ہی مرجع انام رہے۔ اہم معاملات آپ ہی کے زیرِ فرمان تعمیل پاتے، شرق و غرب کی باگ آپ کے ہاتھ میں تھی۔ تدابیر و اُمور میں آپ کی فراست مشہور تھی، نہایت فہیم و حلیم و متواضع اور کریم النفس و مہمان نواز، صابر و شاکر تھے، بذلِ اموال میں اپنے بھائیوں کے مثیل تھے، یادِ الٰہی کا شوق تھا، صبح میں لوگوں کو مقاماتِ لطائف و آدابِ مراقبہ تعلیم فرماتے اور بعد ظہر درس قرآن و احادیث دیتے، آپ عارفِ کامل تھے، شب سہ شنبہ عام وعظ کے لیے مقرر تھی، رمضان مبارک کے آخر عشرہ میں حسب معمول بڑے حضرت، شب آخر میں نماز تراویح پڑھاتے (اور قبل کے دو عشرے میں حکیم ارادت حسین نماز تراویح پڑھاتے) مرد و زن کا بڑا مجمع ہوتا، آپ فن حسب میں ماہرِ کامل تھے اور شاعری میں بھی کمال تھا، زہد و تقویٰ آپ کا شعار تھا، اپنی اولاد کی شادیاں غایت سادگی سے انجام دیں۔ ۲۱ جمادی الثانی ۱۲۷۲ھ میں آپ داخلِ خلد بریں ہوئے، مولانا عبدالرحیم صاحب، صاحب دُرِ منثور اور اسیر انڈمن

آپ کے صاحبزادہ تھے۔ (از افادات مولوی عبد الغفار صاحب مئو ناتھ بھنجنی)

مولوی فخر الدین سہارنپوریؒ

مولانا فصیح غازیپوریؒ مولانا محمد فصیح غازی پوری مشہور صاحب سلسلہ مشائخ میں سے ہیں۔ عمر کا ایک حصہ کشتی وپہلوانی میں صرف کیا، پھر سید صاحبؒ کے تعلق واثر سے علم اور طریقت کی طرف متوجہ ہوئے، مولانا محمد علی سے بیعت تھی۔ (نزہۃ)

مولوی میاں فضل سیالکوٹیؒ۔ فہیم خاں حسین پوری بڈھانویؒ

—(ق)—

مولوی سید قاسم نصیر آبادیؒ۔ مولوی حافظ قطب الدینؒ

—(ک)—

مولانا کرامت علی جونپوریؒ آپ کی ولادت ۱۸ محرم ۱۲۱۵ھ کو شہر جونپور محلہ ملاٹولہ میں ہوئی، آپ کا سلسلہ نسب ۳۵ واسطوں سے حضرت خلیفۂ اوّل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، آپ ابتدا ہی سے ذہین وزیرک تھے، اس لیے جملہ علوم وفنون کو بہت کم عمری میں کامل طور سے حاصل کر لیا تھا، چنانچہ بیس برس کی عمر میں آپ نے فقہ کی ایک مختصر کتاب مفتاح الجنۃ تصنیف فرمائی، جس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ بقول ایک بزرگ اس کا ترجمہ اٹھارہ زبانوں میں ہو چکا ہے اور سیکڑوں بار مختلف مطابع میں اس کو طبع کیا گیا، آج گھر گھر میں مفتاح الجنۃ موجود ہے۔

تحصیل علوم مولانا مرحوم کے والد فارسی کے ماہر اور کتابت میں اعلیٰ درجہ کے خوشنویس تھے، مولانا کی ابتدائی تعلیم ان کے والد نے پدرانہ شفقت کے ساتھ فرمائی، پھر دیگر اساتذہ اور مشاہیر علماء

کی خدمت میں رہ کر آپ نے درسیات کی تکمیل کی، علوم دینیہ مولانا قدرت اللہ مرحوم ردولوی، فن حدیث مولانا احمد اللہ انامی، معقول مولانا احمد علی چڑیا کوٹی اور علوم تجوید قرآن سید ابراہیم مدنی اور قاری سید محمد اسکندرانی سے علماً وعملاً حاصل کیے۔

بیعت

جب آپ کی عمر اٹھارہ سال کی ہوئی تو دل میں درستیٔ اخلاق واصلاحِ نفس کا تقاضا پیدا ہوا، کچھ پہلے سے دہلی کا ارادہ ہو رہا تھا کہ حضرت سید صاحبؒ کی ہدایت کا آفتاب طلوع ہو کر ضو فشانی فرمانے لگا جس کی روشنی دور دور تک پہنچی۔

حضرت سید صاحبؒ دہلی سے مع اپنے خاص خلفاء اور ساتھیوں کے رائے بریلی تشریف فرما ہوئے۔ رائے بریلی جونپور سے بہ نسبت دہلی کے بہت قریب ہے، مولانا اپنے والد محترم سے اجازت لے کر حضرت سید صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اُس وقت علماء کی ایک جماعت کو وہاں موجود پایا جو سب کے سب اسی ایک دھن اور ایک ہی خیال میں محو تھے۔ مولانا علیہ الرحمۃ جونپور واپس آکر اپنے والد اور دیگر ہمنشین لوگوں سے نہایت ذوق و شوق سے فرمایا کرتے، ساری تقریر کا خلاصہ یہ ہوتا کہ میں نے جو کچھ دیکھا سنا اور جو کچھ سمجھا بوجھا اور جو کچھ حسب حوصلہ پایا وہ مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علیٰ قلب بشر کا نمونہ ہے اس سے زیادہ کہنے کی گنجائش نہیں۔

جب مولانا رائے بریلی پہنچے تو حضرت سید صاحبؒ نے ایک ہی نگاہ اور اوّل ہی ملاقات میں مولانا کو پرکھ لیا اور بیعت سے مشرف فرما کر داخلِ سلاسل کر لیا، اوّل ہی ہفتہ میں فرمایا کہ اب ہدایت کے کام میں لگ جاؤ اور شجرہ وخلافت نامہ بتوسط حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ عطا فرمایا جو آپ کے خاندان میں اب تک محفوظ ہے۔ مولانا کا دل اُس مبارک جماعت سے جدا ہونے کو نہ چاہتا تھا مگر بلحاظ الامر فوق الادب، اس امر کو واجب الادا اور عین سعادت خیال فرماتے ہوئے واپسی کے لیے مستعد ہو گئے، ادھر پرکھنے والے مرشد ایسے مہمانِ عزیز کے جذبۂ باطنی اور اپنی کمالِ شفقت کے اقتضاء اور حکمت کی مصلحتوں کو مدِ نظر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کام تو خدا کی رحمت سے ہو گیا اور بہت جلد ہو گیا، اب بحیثیت مہمان دو چار روز اور بھی ٹھہر کر دیکھ بھال کر لو،

آخر دو ہفتے گزر جانے پر تیسرے ہفتے رخصت فرمایا، آپ تبلیغ و ہدایت کا سلسلہ پہلے ہی سے جاری فرما چکے تھے اب جونپور آکر اس میں اور بھی سرگرم عمل ہو گئے، محلہ محلہ گھر گھر پھرتے، نماز پردہ اور دیگر ارکان اسلام کی تلقین کرتے، اُس وقت جونپور میں دن کو اذان نہ ہوتی، صرف صبح و شام کو طلوع و غروب کی پہچان کی غرض سے ہوتی تھی، آپ نے اس جاہلانہ رسم کی اصلاح کی اور بڑی کوششوں سے اذان و جماعت مسجدوں میں جاری کی، ساتھ ہی شہر کی جامع مسجد شاہی کی تطہیر کی فکر بھی ہوئی، جس کو سلطان ابراہیم شرقی نے نہایت خلوص سے تعمیر کرایا تھا، اس وقت وہ اہلِ بدعات کے دستِ تصرف میں تھی، اذان و نماز اور جمعہ و جماعت کے بجائے وہ دُنیاوی مجالس اور شادی بیاہ کی تقاریب کے کام میں لائی جاتی تھی، بارات ٹھہرانے کے لیے اس کو استعمال کیا جاتا تھا، تعزیہ داری بھی اس میں ہوتی تھی، غرضکہ ہر لہو و لعب کے لیے بطور کلب گھر کے اس وسیع مسجد کو آزادانہ استعمال کیا جانا ادنیٰ بات تھی، آپ کو جامع مسجد کی اس بے حرمتی کو دیکھ کر سخت قلق ہوا، اس کو قبضہ میں لانے کے لیے آپ کو مشکلات کا بھی مقابلہ کرنا پڑا، جس طرح بھی بن پڑا آپ نے پانچوں وقت اذان و جماعت کا انتظام کیا، ابتدا میں خود پانچوں وقت اذان دے کر نماز پڑھتے، آپ کی جائے سکونت ملا ٹولہ سے جامع مسجد نصف میل سے زائد فاصلہ پر ہے مگر حضرت مولانا آخر شب میں جامع مسجد کو چلے جاتے، کبھی تہجد اُسی مسجد میں ادا فرماتے، پھر اذان کہہ کر نماز سے فارغ ہو کر اپنے مکان واپس آتے۔

شیعہ مذہب کے بعض افراد کو جن کا مکان زیرِ مسجد تھا، مولانا کا یہ تصرف ناگوار ہُوا، اس لیے وہ لوگ درپے آزار ہُوئے، اُنھوں نے ایک باہمت پٹھان کو اس بات پر تیار کیا کہ جب مولانا فجر کے وقت مسجد میں آئیں اُس وقت اندھیرا رہتا ہے، تلوار سے مولانا کی گردن اُڑا دے، اس کے انعام کے لیے پانچ سو روپیہ کی رقم بھی سب نے مل کر فراہم کر دی، غرض وہ پٹھان روپیہ کے لالچ اور انعام کے خاطر مولانا کے قتل کے لیے تیار ہو گیا اور مسجد میں جا کر کسی کونہ میں تلوار لے کر چھپ گیا، جب مولانا نماز کے لیے تاریکی میں اس طرف سے گزرے تو تلوار اُٹھا کر نشانہ کر لیا اور پُشت کی طرف سے وار کرنے کے لیے ہاتھ اُٹھایا تو ہاتھ اُوپر کا اُوپر ہی رہ گیا، جب مولانا اس کی زد سے کچھ آگے بڑھے تو خاں صاحب اپنے کو بیحس و حرکت دیکھ کر پکار اُٹھے کہ حضرت مجھ گستاخ کی حالت ملاحظہ فرما کر تشریف لے جائیے

مولانا آواز پاکر فوراً پلٹے، اُن کی حالت دیکھی، واقعہ سُنا، مولانا نے اپنے دستِ حق پرست کو خاں صاحب کے بازو پر پھیرا، ہاتھ اُسی وقت نیچے کو اُتر آیا، خاں صاحب ہمیشہ کے لیے تائب ہو کر آخر عمر تک پابندِ صوم وصلوٰۃ رہے۔

سفرِ بنگال

آپ کو جہاد بالسیف کا ازحد شوق تھا، چنانچہ اسی شوق میں آپ نے فنِ سپہ گری وشمشیرزنی کو محنت سے حاصل کیا تھا، جب آپ کے مرشدِ برحق نے جہاد کے لیے روانگی کا قصد کیا، تو مولانا مرحوم نے بھی آمادگی ظاہر کی، حضرت سیّد صاحبؒ نے بذریعہ کشف معلوم کر لیا تھا کہ اس شخص سے خداوندِ کریم کو کوئی اور ہی کام لینا منظور ہے۔ حضرت سیّد صاحبؒ نے آپ کو اس کو مشورہ نہیں دیا بلکہ جہاد باللسان کے لیے حکم دیا اور فرمایا کہ تم سے خدا کو وراثۂ نبوی اور تبلیغ دین کا کام لینا منظور ہے اور تمھارے اندر اس کی استعداد ودیعت فرمادی ہے، تمھارے لیے یہ تبلیغی کام جہادِ اکبر ہے اور تمھاری زبان وقلم میری ہدایت کی توسیع اور ترجمانی کریں گے۔

ٹھیک اُسی زمانہ میں ملک بنگال کی گمراہی اور بے دینی اپنے شباب پر تھی، بے شرع پیروں، شعبدہ باز فقیروں اور جوگیوں کا دور دورہ تھا، مسجدوں میں مویشی باندھے جاتے تھے، پردہ نام کو بھی نہ تھا، ہندوانہ مراسم ہر تقریب وتہوار میں برتے جاتے تھے، علاوہ لوگوں کی شکل وشباہت کے نام بھی ہندوانہ ہوتے تھے، سترِ عورت اور لباس کی کوئی قید نہ تھی، اکثر لنگوٹی ہی میں بسر کرتے تھے، اُس وقت بنگال ہر طرح کی تاریکی میں گھرا ہوا تھا، مولانا (کرامت علی صاحب) نے اپنے رسالہ مکاشفاتِ رحمت میں اس حالت کا نقشہ کھینچا ہے:

" اور مسلمان ہو کے ہندوؤں کے تہوار ہولی دیوالی بسنت وغیرہ میں خوشیاں کرتے، عوام لوگ ہولی میں جو کرتے تھے سو کرتے تھے جو لوگ اشراف کہلاتے ہیں اُن کے قوم سسرال کے رشتے والے عورت مرد میں ہولی کھیلنے کا رواج تھا اور دیوالی میں عوام لوگ جو کرتے تھے سو کرتے تھے جو اشراف لوگ تھے وے بھی دیوالی کی تہواری میں چوڑا مٹھائی اپنے سمدھیانے بھیجتے تھے اور ایسے لوگوں کو لوگ بُرا نہ جانتے تھے اور دیوالی میں روز ضرور جُوا کھیلتے تھے اور کہتے تھے کہ آج جو شخص جوا نہ کھیلے گا اُس کا چھچھوندر کا جنم ہوگا اور بعضے غافل دین کے مخالف نادانوں میں مُرشد کہلاتے تھے وے ہندوؤں کے تہوار بسنت میں

بڑے اہتمام کے ساتھ محفل آراستہ کرتے تھے اور اس میں اس قدر خرافات کرتے تھے۔
کہ اُس کا دسواں حصّہ بھی ہندو لوگ نہ کرتے اور بعضے نادانوں گمراہوں نے راہبوں اور
جوگیوں اور گوشائیوں کی چال کو رسُولِ مقبول کی چال اور حکم سے زیادہ پسند کر کے اور اُس کو
درویشی سمجھ کے نکاح کرنے کو ترک کیا اور اس گناہ پر ایسا اڑگئے کہ جو اُن کی گدی پر ہوتا ہے
وہ نکاح نہیں کرتا باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نکاح کرو تم لوگ اور
اولاد جنو، اس واسطے کہ میں فخر کروں گا بسبب تمھارے اور اُمتوں پر کہ میری اُمت میں
اتنے لوگ ہیں ہاں اگر ایک شخص اتفاقاً نکاح نہ کرے تو اُس کے حق میں تاویل کی گنجائش ہے
اور جب نکاح نہ کرنے کو اپنے طریقہ کی نشانی اور پہچان مقرر کیا ہے سوائے مخالفت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلّم اور کیا فتویٰ دیا جاوے گا اور بہت لوگ کلمہ طیب کے معنی نہ جانتے تھے۔
اس سبب سے شرک میں گرفتار تھے اور نماز روزے اور حج اور زکوٰۃ اور قربانی اور صدقہ فطرہ
ادا کرنے سے مطلق غافل تھے اور جُمعہ اور جماعت اور عیدین کو مطلق چھوڑ دیا تھا یہاں تک کہ
بعضے لوگ بڈھے ہوگئے تھے اُن کو وضو بھی نہ آتا تھا، توبہ کرنے کا خیال مطلق نہ تھا، اُن میں
ڈاڑھی منڈانے کا رواج تھا اور بعضے لوگ ایسے بیہوش تھے کہ مسلمان ہو کے ڈاڑھی منڈائے
چرکی رکھائے رہتے تھے کہ پہچان نہ پڑتے تھے کہ ہندو ہیں یا مسلمان اور ان میں روزے،
نماز کا تو کیا ذکر ہے، اور بعضے لوگ روزہ بھی رکھتے تو افطار اور سحر کے وقت سے نرے
غافل تھے، صبح صادق میں کھاتے پیتے تھے اور اس ملک کے بہت لوگ نمود کے واسطے
سیکڑوں روپے مُردوں کے کھانے اور دوسرے واہیات و خرافات میں خرچ کرتے تھے،
اور زکوٰۃ وصدقۂ فطرہ، اور اپنے مُردے کی طرف سے روزے نماز کا فدیہ نہ دیتے اور نہ دینے
کا ارادہ رکھتے اور جیسے لوگوں کا دینا صدقہ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ملا ہے، ویسے
لوگوں کو نہ دیتے، اگر کسبیوں گویوں کو ایک روپیہ دیتے تو محتاج نمازیوں کو دو آنہ دینا

مشکل گزرتا "

قرآن، حدیث، وعظ و نصائح کا سننا سنانا یکبارگی موقوف ہو گیا تھا قصہ کہانی فسق و فجور کفر کی باتوں کے سننے سنانے میں لوگ گرفتار تھے، اذان کی آواز سن نہ پڑتی، قرآن شریف کا لڑکوں کو پڑھانا بالکل موقوف ہو گیا تھا، اس قدر بے دینی سمائی تھی کہ بعضے کمبخت کہتے تھے کہ قرآن شریف پڑھانے سے کیا فائدہ، فارسی پڑھیں جو خط و کتابت آوے، اور بعضے کمبخت شیطان کی تعلیم سے کہتے تھے کہ لڑکوں کو طہارت کا لحاظ نہیں رہتا، ہر وقت بے وضو قرآن شریف چھوا کریں گے، اس واسطے لڑکوں کو قرآن شریف پڑھانا نہ چاہیئے اور حافظ لوگ یکبارگی نایاب ہو گئے تھے، بڑے بڑے شہروں میں تراویح کا ختم میسر نہ ہوتا تھا اور نماز کی عظمت لوگوں کے جی سے بالکل جاتی رہی تھی، یہاں تک کہ بے نمازی کو لوگ بُرا نہ جانتے تھے، نسبت کرنے سے اور کفو غیر کفو اور برادری کے معاملے میں نمازی بے نمازی کا فرق نہ تھا۔ بے نمازی ہونا کچھ عیب نہ تھا، برہمن پوجنا، بُت پوجنا، فال کھلانا، اوجھے کے پاس جانا، تاڑی شراب پینا، کچھ عیب نہ تھا۔"

اور عورتیں بُت پرستی اور پریوں کے پوجے میں کہ حقیقت میں وہ شیطان پرستی تھی اور چیچک کے پوجنے میں اور سوا پہر کے روزہ رکھنے میں کہ حقیقت میں وہ ہندوؤں کے "برت" کی صورت تھی، گرفتار تھیں، شادی غمی کی واہیات رسموں سے خوب واقف تھیں، روزے، نماز، حیض نفاس کے مسئلہ سے بالکل غافل تھیں، اور اس ملک کی عورتوں کو کپڑا پہننے میں پردے کا لحاظ مطلق نہ تھا۔ بعضے قوم کی عورتیں پانی بھرنے وغیرہ کاموں کے واسطے جس بدن کا چھپانا فرض ہے اس بدن کو بے لحاظ کھولے ہوئے باہر نکلتی تھیں اور جو اشراف کہلاتے ہیں اُن کی عورتیں باہر تو نہ نکلتی تھیں مگر کپڑا بے لحاظ پہنتی تھیں اور باوجودیکہ مرد کو ناف سے زانو تک چھپانا فرض ہے اور کرتہ، جبہ، پائجامہ اور ٹوپی مع عمامہ اور تہ بند

چادر سنّت ہے اور عورتوں کو سارا بدن چھُپانا فرض ہے سو مرد نیمہ جامہ، انگرکھا، قبہ

کُرتا جبّہ وغیرہ لباس خُوب ٹھُٹ کے پہنتے تھے اور عورتیں پائجامہ چادر یا اوڑھنی اور ذرا سی

کُرتی بازُو کھُلا، پیٹ کھُلا پہنتی تھیں اور بعضے قوم کی عورتیں رات کو میلوں میں جاتی تھیں؛

اور بعضے قوم کی عورتیں دن کے میلوں میں بھی، خصوصاً چھڑیوں کے میلوں میں بن ٹھن کے

دکھلاتی پھرتی تھیں۔" [1]

ایسے مُلک میں ہدایت و تبلیغ کرنا جہادِ اکبر تھا، حضرت سیّد صاحبؒ فرما چکے تھے، مرشدِ برحق نے اپنے مخلص مرید کو اشارہ ہی اشارہ میں اس کو سمجھا دیا تھا، حضرت سیّد صاحبؒ کی یہ ایک بہت بڑی روشن کرامت تھی کہ مولانا کو بنگال میں تبلیغ کا اشارہ فرما کر اہلِ بنگال کو صحیح معنوں میں مسلمان بنا دیا۔

حضرت مولانا جونپور میں تبلیغی کام کو ایک حد تک پُورا کر چکے تھے، جامع مسجد کو اوباشوں سے پاک کر کے جُمعہ و جماعت قائم کر چکے تھے، اب اپنے مُرشدِ برحق کے اشارے سے عازمِ بنگال ہُوئے اور جونپور سے کلکتہ پہنچنے میں تقریباً ایک ماہ صرف ہوگیا، کچھ روز کلکتہ میں قیام فرما کر تبلیغی کام سے فارغ ہو کر بنگال و آسام کا دورہ بذریعہ کشتی شروع کر دیا، اُس وقت [illegible] از کی سہولتیں جیسی آج ہیں نہ تھیں، ہزاروں طرح کی دقّتیں اور مشکلیں حائل تھیں سب کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہُوئے اکاوّن [2] برس تک تبلیغ دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کرتے رہے، ردِّ شرک و بدعت صبح سے شام تک کا مشغلہ تھا، ارکانِ اسلام کا لوگوں کو پابند کرایا، جا بجا مدرسے قائم کیے، خود اپنے ہمراہ سفری مدرسہ قائم کر کے ملکی لوگوں کو تعلیم دی، طلبا کے اخراجات خود برداشت کرتے رہے، چونکہ آپ بوٹ پر سفر کرتے تھے اس لیے ایک بوٹ مدرسہ کے لیے بھی تھا، اُس مدرسہ سے جو فارغ ہو کر نکلے وہ خود ایک زبردست مبلّغ ثابت ہوئے، بنگال کے گوشہ گوشہ میں اُن لوگوں نے مولانا کی ہدایت کے مطابق دین کی بڑی خدمت انجام دی۔

مولاناؒ نے اپنے ایک رسالہ "اطمینان القلوب" میں اپنی اُن کوششوں اور محنتوں اور اُن کے نتائج کا مختصر

---

[1] رسالہ مکاشفاتِ رحمت۔ ص۵۰، مشمولہ ذخیرہ کرامت

مگر پُر اثر انداز میں مذکرہ فرمایا ہے، بنگال میں جب اُن کے مخالفین نے اپنی سرگرمیاں شروع کیں تو ایک موقع پر اہلِ بنگال کو مخاطب کر کے فرمایا :

" اِس فقیر نے دین جاری کرنے میں جس قدر کوشش کیا ہے اور تکلیفیں اُٹھایا ہے اور اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کے ملک ملک پھرتا رہا ہے اور قرآن شریف لکھ کر اور تجارت کر کے اپنا خرچ چلاتا تھا، یہاں تک کہ سفر سے آکے سواری کا خرچ قرض لے کے ادا کرتا تھا اور جس مقام میں جاتا تھا وہاں اکثر مقام میں جان کا خوف رہتا تھا اور فقیر اس وقت میں ہتھیار بند رہتا تھا، تم لوگوں نے دیکھا ہے یا اپنے دادے سے باپ سے سُنا ہوگا اور اب کیسا میدان صاف ہو گیا ہے جو چاہے آنکھ موندے ان مقاموں میں چلا جاوے، ضیافت بھی کھاوے اور نقد بھی پاوے، سو اب ان مقاموں میں دین میں فساد برپا ہونے کو یہ فقیر کس طرح برداشت کر سکے"۔ [1]

تصنیفات میں : مفتاح الجنّۃ، زینۃ المصلّی، زینۃ القاری، زاد التقویٰ، الکوکب الدری، الدعوات المسنونۃ شرح الجزری، نور الہدیٰ، رفیق السالکین، فیض عام، مکاشفات رحمت، قوت الایمان، نسیم الحرمین، نورٌ علیٰ نور، قول الثابت، مراد المریدین، ملخص، اطمینان القلوب، ترجمہ شمائل ترمذی، ترجمہ مشکوٰۃ شریف مستقا، رد المفسدین ہیں۔

آپ کا انتقال حالتِ سفر میں شہر رنگ پُور میں سنہ ۱۲۹۰ھ میں ہُوا، آپ کے دو صاحبزادے تھے، مولانا حافظ احمد صاحب اور مولانا حافظ عبد الاوّل صاحب تصانیف کثیرہ۔ [2]

کریم بخش بڈہانوی ؒ ۔ محمّد کمال خرم پوری ؒ

---

[1] رسالہ اطمینان القلوب ص ۳۸

[2] افادات مولانا عبد الباطن صاحب ابن مولانا عبد الاول صاحب مع اضافات مصنف

—(ل)—

مولوی شاہ لطف اللہ سلونویؒ

—(م)—

سیّد محمد بن اعلیٰ نصیر آبادیؒ سیّد صاحبؒ سے خاندانی تعلق تھا، درسی کتابیں اساتذہ لکھنؤ سے پڑھیں، پھر شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ و تکمیل کی، سیّد صاحبؒ سے بیعت کی اور عرصہ تک ساتھ رہے، پھر درس و افادہ کی طرف متوجہ ہوئے، مولانا سیّد عبد العلی نصیر آبادی اور مولانا سیّد خواجہ احمد نصیر آبادی نے آپ سے[1] درسیات پڑھیں، مولانا سیّد خواجہ احمد نصیر آبادی آپ ہی سے بیعت اور صاحب اجازت ہیں، جو سیّد صاحبؒ کے سلسلہ کے بڑے مشائخ میں سے تھے مشرقی اضلاع میں آپ سے بڑا فیض پہنچا اور بہت بڑے پیمانہ پر عقائد و اعمال کی اصلاح اور شرک و بدعات کا ازالہ ہوا۔

یکم شعبان ۱۲۳۶ھ کو بعارضہ فالج ستر سال کی عمر میں انتقال کیا اور نصیر آباد میں مدفون ہوئے۔

مولوی محمد حسن رامپوریؒ سیّد صاحبؒ کے نہایت معتمد اور لشکر کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ مولوی سیّد جعفر علی منظورہ میں لکھتے ہیں "مولانا محمد اسمٰعیل و مولوی محمد حسن رامپوری بجائے وزیر آنجناب بودند۔" (ص ۵۵) دوسری جگہ لکھتے ہیں "مولوی محمد حسن رامپوری کہ در خاکساری و عجز و علم و حلم و قابلیت بعد مولانا محمد اسمٰعیل نظیر خود نداشتند" (ص ۲۲) آپ ہی نے مولوی سیّد محبوب علی صاحب دہلوی کو مسکت جواب دیا اور قتال و جہاد کا فرق سمجھایا۔ رامپور منہیاراں کے رہنے والے تھے، پھولڑہ کی لڑائی میں شہید ہوئے (منظورہ)

مولوی محمد حسینؒ ساکن بگھرہ آپ بگھرہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے، آپ کی عمر سو سے متجاوز تھی، ۱۳۱۲ھ تک بقید حیات تھے، راقم سطور کے والد مرحوم نے ۱۸ شعبان

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مضمون "مولانا سیّد خواجہ احمد نصیر آبادی" مندرجہ "الفرقان"

سنہ ۱۳۱۲ھ کو نگلہ (قریب بجنور) میں آپ کی زیارت کی۔ "ارمغانِ احباب" میں اپنی ملاقات کا حال لکھتے ہیں:

"مَیں جس وقت پہنچا وہ لیٹے ہُوئے تھے، تحیۂ مسنونہ کے بعد مَیں نے ان ہاتھوں سے مصافحہ کیا جس نے بلا واسطہ ہمارے حضرت امیر المومنین سیّدنا روح اللہ روحہ کے ہاتھوں سے مصافحہ کیا تھا، تعارف کے بعد مجھ سے فرمایا کہ آپ یہاں کیونکر پہنچے؟ مَیں نے سب قصّہ بیان کیا، بہت خوش ہُوئے، کہنے لگے اچھا ہُوا مَیں نے بھی آپ کو دیکھ لیا، مَیں نے پوچھا کہ آپ کی کیا عُمر ہے، کہا ایک سَو دس برس کی ہو چکی ہے، یہ گیارہواں سال ہے، مَیں نے کہا کہ حضرت سیّد صاحبؒ سے کہاں نیاز حاصل کیا تھا، فرمایا گھرہ میں میرے بھائی مولوی علاء الدین صاحب کے پاس تشریف لائے تھے، مَیں نے کہا کے دن رہے تھے فرمایا مجھے یاد نہیں کے دن رہے تھے، خاص غریب خانہ پر فروکش تھے، مَیں نے کہا کہ آپ کتنے دن ہمراہ رہے، کہا بہت دنوں جنگ میں شریک تھا بعد اختتام جنگ کے واپس آیا مَیں نے کہا کہ آپ سلسلہ میں لوگوں کو داخل کرتے ہیں، فرمایا کہ صرف مجھ کو اسی قدر اجازت ہے کہ مَیں مرید کر لُوں اور خدا کا نام سکھا دُوں۔

افسوس ہے کہ اب کبرِ سِنی کی وجہ سے بہت ہی مغلوب النسیان ہو گئے ہیں، دم بھر میں بات بھُول جاتے ہیں، نقل و حرکت سے بھی معذور ہیں، چارپائی پر تیمم کے ساتھ بیٹھے بیٹھے نماز پڑھ لیتے ہیں مگر سماعت و بینائی میں کچھ فرق نہیں ہے، بہت سچے اور مخلص آدمی ہیں، اپنے پیر کا دم بھرتے ہیں، کہنے لگے کہ مَیں نے پچاس ہزار آدمی ایک جگہ دیکھے مگر اس شان کا آدمی نہیں دیکھا جیسے حضرت تھے۔

دن بھر مَیں انھیں کی خدمت میں رہا، شب کو اُنھیں کے قریب سویا۔ دو بجے شب کو میری آنکھ کھُلی، دیکھا تو تہجد پڑھ رہے تھے۔"

والد صاحب مرحوم مولوی محمد حسین صاحب کے مزید حالات و اخلاق اُن کے ایک مُرید حافظ عبدالکریم صاحب

کے واسطہ سے بیان کرتے ہیں :

"میں نے حافظ صاحب سے پوچھا کہ میاں صاحب کے سلوک کا کیا طریقہ ہے کہا کہ صرف ذکرِ لسانی کے طور پر بارہ تسبیح کی حضرت تلقین فرماتے ہیں لیکن اس کے استعمال اور مداومت سے خود بخود انوار و برکات نمایاں ہوتے ہیں، توجہ ڈالنے کی اُن کی عادت نہیں ہے وہ خود فرماتے ہیں کہ یہ مجھ کو نہیں آتا، اتباعِ سُنّت اور ہضم نفس پر دار و مدار طریقہ کا ہے، حُبِّ جاہ سے گھبراتے ہیں، مشیخت کی باتوں کو ناپسند کرتے ہیں، بے تکلفی سے جو دعوت کرتا ہے اس کو قبول فرماتے ہیں، مُریدوں کی بھیڑ بھاڑ آگے آگے چلنے سے منع کرتے ہیں، اندھیری رات میں چپکے اُٹھے اور مسجد چلے گئے، لالٹین ساتھ ہونے اور مریدین کے پیچھے چلنے سے بہت گھبراتے ہیں۔"[۱]

شاہ محمد حسین عظیم آبادیؒ

جناب کی ولادت ۱۲۳۶ھ میں ہوئی اور تلمذ و بیعت آپ کو اپنے عم محترم شاہ محمد کریم سے تھی، آپ میں زہد و تقویٰ ابتداءِ عمر سے تھا، جب حضرت مجدد وارد پٹنہ ہوئے تو باجازت عم مرشد مع اہلیہ و دختران حضرت ممدوح سے شرف بیعت ثانی حاصل کیا اور ہمہ دم تا قیام حضرت مجدد و حاضر باش رہے، حضرت مجدد نے آپ کو سندِ خلافت عطا کی جس کی نقل جناب کے قلمی نسخہ صراطِ مستقیم کے آخر میں مرقوم ہے، بیعت کے وقت سے اپنے صوبہ کے لوگوں کی ہدایت و ارشاد میں نہایت سرگرم رہے، شرک و بدعت کے خلاف جہاد اور احیاءِ سنّت میں سعی بلیغ فرمائی اور لاکھوں آدمیوں کو صراطِ مستقیم پر لگا دیا، نمو ہیہ کی جامع مسجد کی آپ ہی نے صرفِ کثیر سے توسیع فرمائی، آپ کے مریدان بیا پور، دانا پور اور فتوحہ سے سمٹ کر شریک جمعہ ہوتے، بعد نمازِ جمعہ آپ کا وعظ ہوتا، نہایت عام فہم اور با اثر اور دوسرا وعظ شب کو زنانہ مکان میں فرماتے جس میں دُور و نزدیک سے عورتیں جمع ہوتیں، ہر موقع وعظ میں بفضلِ الٰہی مسترشدین کا اضافہ ہوتا رہتا، آپ کی اہلیہ محترمہ بھی امورِ دینی میں آپ کی

---

[۱] ارمغانِ احباب قلمی

موید رہتیں"۔ اصلحنا له زوجه انهم کانوا یسارعون فی الخیرات" الآیۃ آپ کا دل جذبۂ دینی سے معمور تھا، طبیعت نہایت ذکی اور سریع الفہم تھی، آپ صاحب مروت و خلق عظیم تھے، اتباعِ سُنّت کا از بس خیال تھا، اپنی صبیۂ خورد مسماۃ شریفن کا بغرض تعمیل وانکحوا الایامیٰ منکم، مولانا عنایت علی سے عقد ثانی کر دیا، آپ کو شعر و سخن سے بھی ذوق تھا، تخلص ہاشمی کرتے، اسپ سواری اور فنِ سپہ گری میں مہارت تامہ تھی، سنہ ۱۲۷۶ھ کو اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی۔ (از افادات مولوی عبدالغفار صاحب صادقپوری)

محمدؐ زماں خاںؒ ابن وزیر خاں لوہانی پورؒ ۔ مولوی محمد عظیم پشاوریؒ

مولوی سیّد محمد علیؒ

مولوی سیّد محمد علی، سیّد صاحبؒ کے بڑے بھانجے مولوی سیّد عبدالسبحان کے صاحبزادہ اور مخزنِ احمدی کے مصنّف ہیں، عالم و شاعر اور فارسی کے اچھے منشی تھے، آزاد منش، بے تکلف طبیعت پائی تھی، نواب وزیرالدولہ مرحوم کا سخت اصرار تھا کہ آپ کوئی عہدہ قبول فرمائیں، آپنے باصرار پچاس روپیہ ماہوار قبول فرمائے سنہ ۱۲۶۶ھ میں ٹونک میں انتقال کیا۔ آپ کے صاحبزادہ بخشی الملک سیّد نورالھدیٰ خاں بہادر ہیبت جنگ تھے۔

مولانا محمد علی رامپوریؒ، مولانا محمد علی صدرپوری ملیح آبادیؒ، شیخ محمد علی ہندیؒ مدرس مکہ معظمہ شیخ محمد عمرؒ مفتی مکہ مکرمہ، سیّد محمد لہاروی، سیّد محمد موسیٰؒ، پیرجی محمود شاہؒ، شیخ مخدومؒ سیدن پوری

مولانا سیّد مرتضیٰ حسین لکھنویؒ

مولانا سیّد مرتضیٰ حسین لکھنوی، علمائے صالحین میں سے تھے لکھنؤ کے رہنے والے ملا مُبینؒ وغیرہ سے تعلیم حاصل کی، رزیڈنسی میں ملازم تھے۔ ایک عرصہ تک کلکتہ میں قیام کیا، نواب سعادت علی خاں کے زمانہ میں لکھنؤ کے مفتی رہے۔ نواب غازی الدین حیدر کے زمانہ میں سیّد صاحبؒ کے مُرید ہوئے اور آقا سے علٰحدگی اختیار کی۔ وفات سنہ ۱۲۵۰ھ

مولوی مرتضیٰ خاں رامپوریؒ - شیخ مصطفےٰ امام مصلّٰی حنفیؒ

مولوی سیّد شاہ مظہر علی صاحبؒ سیّد مظہر علی، امیر کبیر سید قطب الدین محمّد مدنی کی اولاد سے تھے، اُن کے والد کا نام سیّد اشرف علی تھا جو ایک صُوفی منش بزرگ تھے۔

شاہ صاحب ابتدا ہی سے نہایت ذکی و ذہین تھے۔ آپ پر تصوّف غالب تھا، مددِ معاش کے سلسلہ میں عظیم آباد جانا پڑا اور وہیں ایک معزّز عُہدہ پر عرصہ تک فائز رہے۔ اُسی زمانہ میں حضرت سیّد صاحبؒ سے ملاقات ہوئی اور آپ سب چھوڑ چھاڑ کر سیّد صاحبؒ کے ساتھ ہوگئے کہ آپ کی طلبِ صادق عرصہ سے ایک رہبرِ کامل کی جویا تھی، سیّد صاحبؒ جب حج کو جانے لگے تو آپ بھی ہمراہ تھے، سیّد شاکر علی صاحب ناظم بنگالہ کو بھی ان بزرگوں کی معیت کا شرف حاصل تھا۔

مکّہ معظمہ پہنچ کر سیّد صاحبؒ نے خاص حرم کے اندر سیّد شاکر علی صاحب کی دختر کے ساتھ میر مظہر علی کا نکاح کر دیا۔

شاہ صاحب کا میلانِ طبع تصوّف کی طرف تھا، ۱۲۴۰ھ کے بعد آپ گوشہ نشین ہو کر صوفیانہ زندگی بسر کرنے لگے۔

آپ نہایت زاہد اور متقشف بزرگ تھے۔ بیس سال تک مجاہداتِ نفسی کیے۔ آپ کو پہلے اپنے والد ماجد کے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت تھی، پھر شاہ عبدالعزیز صاحب سے بیعت حاصل کی اور آخر تک اُنھیں کا سلسلۂ بیعت قائم رکھا۔

چشتیت کے باوجود مزامیر کے مخالف تھے، اپنے صاحبزادہ سیّد مظہر حسن کو جو وصیت فرمائی ہے، اُس میں لکھتے ہیں:

"مزمار را حرام دانی"

سنہ ۱۲۵۰ھ میں آپ کی وفات بھرولی ضلع الٰہ آباد میں ہوئی اور زیرِ درگاہ مولانا اسمٰعیل قریشی آپ دفن کیے گئے۔ (افادہ ہادی عطا مرحوم ابن مولانا شاہ حلیم عطا بیکے از اولاد دختری سید منظر علی صاحب)

شیخ معظم جگدیش پوریؒ، حکیم مغیث الدین سہارنپوریؒ، منور خاں مسیح آبادیؒ

حکیم مومن خاں دہلویؒ

محمد مومن خاں نام، مومن تخلص، حکیم غلام نبی خاں کے بیٹے تھے۔ سنہ ۱۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے، جب ذرا ہوش سنبھالا تو مولانا شاہ عبد القادر علیہ الرحمہ سے عربی کتابیں پڑھیں، جب استعداد درست ہوگئی تو والد اور چچا حکیم غلام حیدر خاں اور حکیم غلام حسن سے طب کی کتابیں پڑھیں اور انھیں کی زیرِ نگرانی نسخہ نویسی کی، اسی زمانہ میں نجوم کا شوق پیدا ہوا، اس کو بھی اہلِ کمال سے حاصل کیا اور مہارت بہم پہنچائی، شعر و سخن سے طبعی مناسبت تھی، عاشق مزاجی نے اسے اور بھی چمکا دیا، ابتدا میں شاہ نصیر کو اپنا کلام دکھایا پھر ذہنِ خدا داد کے اطمینان پر اصلاح لینی چھوڑ دی اور بطور خود مشقِ سخن کی، رنگین طبع، رنگین مزاج، خوش وضع خوش لباس اور عاشق مزاج آدمی تھے، غزل دردناک، آواز اور دلپذیر ترنم کے ساتھ پڑھتے تھے، بایں ہمہ دینداری کے خیال سے بھی خالی نہ تھے۔ جوانی میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے مرید ہوئے اور آخر عمر تک عقائد میں انھیں کے متبع و پیرو رہے، کلیات میں ایک مثنوی جہادیہ ہے جو اس وقت لکھی تھی جب کہ سید صاحبؒ سکھوں سے جہاد کر رہے تھے علاوہ اس کے دو قطعہ تاریخ اُن کی امامت کے ہیں، نواب وزیر الدولہ مرحوم نے روحانی رشتہ کی بنا پر ٹونک بلایا مگر خاں صاحب سے دلّی کی گلیاں کب چھوٹ سکتی تھیں، کچھ سمجھ بوجھ کر معذرت کا قصیدہ لکھ کر بھیج دیا۔ جس کا مشہور مطلع ہے ؎

یادِ ایامِ عشرتِ فانی   نہ وہ ہم ہیں نہ وہ تن آسانی

سنہ ۱۲۶۸ھ میں اس جامع کمالات ہستی نے باون (۵۲) سال کی عمر میں وفات پائی اور میدھپورہ میں دلّی دروازہ کے باہر حضرت شاہ عبد العزیز علیہ الرحمہ کے مقبرہ کے پاس سپردِ خاک کیے گئے [1]

---

[1] ماخوذ از تذکرہ گلِ رعنا

میاں جی احسان اللہ بڈہانوی رحمۃ اللہ علیہ

—(ن)—

سیّد ناصر علی رحمۃ اللہ علیہ (یکے از امرائے محراب پور سندھ) **مولوی نصیر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ** (داماد حضرت شاہ اسحٰق) **مولوی نظام الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ صوفی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ۔**

صُوفی نور مُحمّد رحمۃ اللہ علیہ آپ بنگال میں سیّد صاحبؒ کے خُلفاء کبار میں سے تھے، جہادؒ میں سیّد صاحبؒ کے ساتھ تشریف لے گئے تھے جہاد میں زخمی ہُوئے، ہندوستان واپس آئے اور تبلیغ و ارشاد کے کام میں مصروف ہو گئے، آپ سے بڑا فیض پہنچا، آپ کا سلسلہ بہت وسیع ہے جس میں بڑے بڑے مشائخ اور اہلِ کمال پیدا ہُوئے۔ آپ کے سلسلہ میں صوفی فتح علی، مولانا غلام سلمانی، مولانا ابوبکرؒ[1]، مولانا سیّد عبدالباری حَسنیؒ[2] صاحبِ ارشاد اور صاحبِ سلسلہ بزرگ گزرے ہیں، اس کتاب میں صوفی صاحبؒ کا ذکر متعدد بار آیا ہے۔ آپ کی قبر میر سرائے سے ۵ میل مغرب کی طرف واقع ہے۔ (از افادات مولوی محمد سعید صاحب اعظمی)

مولانا نور مُحمّد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ مولانا نور محمد جھنجھانوی شیخ وقت اور مشہور عارف تھے، طریقۂ چشتیہ کی تعلیم حضرت حاجی عبدالرحیم ولایتی شہید بالاکوٹ سے لی، لوہاری میں بچوں کو پڑھا کر مستور الحال

---

[1] مولانا ابوبکرؒ صوفی فتح علی صاحب کے خلیفہ تھے، آپ سے بنگال میں تصوف کی بڑی اشاعت ہوئی، جگہ جگہ ہزاروں کی تعداد میں آپ کے مرید و خلفاء موجود ہیں، بنگال کا اکثر حصہ مولانا کے متوسلین میں سے ہے، آپ پھر پھرہ میں مدفون ہیں جو آپ کا وطن بھی تھا۔

[2] آپ مقام نلڈانگہ متصل ہوگلی نواح کلکتہ کے رہنے والے تھے، مولانا غلام سلمانی سے خلافت و اجازت حاصل تھی، بڑے صاحبِ نسبت اور صاحبِ تاثیر بزرگ تھے۔ آپ کے سلسلہ میں مولوی عبدالاحد صاحب کمنڈوی، مولوی عبدالصمد صاحب اور حافظ حامد حسن صاحب (کھنڈا ضلع اعظم گڑھ) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ۶، رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ کو چالیس سال کی عمر میں سید صاحب نے انتقال کیا اور نلڈانگہ میں مدفون ہوئے۔

رہے، تیس برس تک بکبیر تحریمہ فوت نہیں ہوئی، حضرت سید صاحبؒ کی سہارنپور میں رونق افروزی کے موقع پر جبکہ آپ کے شیخ حضرت حاجی صاحبؒ نے سید صاحبؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کی، آپ کو بھی لوہاری سے سہارنپور بلایا اور اپنے روبرو سید صاحبؒ سے بیعت کرایا۔ سید صاحبؒ نے آپ کو اجازتِ طریقہ عطا فرمائی، آپ سرحد جہاد کے لیے بھی گئے اور پھر آپ کے حکم سے ہندوستان واپس آئے — مریدین میں شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا نام کافی ہے۔ ؏ قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

—(۹)—

مولوی وحید الدین

نواب وزیر الدولہ مرحوم

نواب امیر خاں بانیٔ ریاست ٹونک کے فرزندِ ارجمند ۱۲۲۲ھ میں پیدا ہوئے، ۱۲۵۰ھ میں باپ کے جانشین ہوئے، سید صاحب جب لشکر گاہ سے دہلی تشریف لے جانے لگے تو نواب صاحب مرحوم نے سعادتمند اور ہونہار صاحبزادہ کو ہمراہ کر دیا، اس طرح سید صاحب کی صحبت و تربیت کے علاوہ دہلی کے علماء و صلحاء کی صحبت اٹھانے اور ان سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ سید صاحبؒ سے بیعت کی اور اخیر دم تک ان کی روش پر قائم اور ان کی محبت میں سرشار رہے، سید صاحبؒ نے بالاکوٹ سے نواب صاحب کے نام جو خطوط لکھے ہیں ان سے اس خصوصی تعلق و نسبت کا اظہار ہوتا ہے۔ زمانۂ جہاد میں بھی نواب صاحب کے اس تعلق میں فرق نہیں آیا۔ وہ اگرچہ عملی شرکت و رفاقت نہیں کر سکے لیکن انھوں نے اپنے فرائض ادا کرنے اور خدمات بجالانے میں کوتاہی نہیں کی، بالاکوٹ کے سانحہ کے بعد انھوں نے سید صاحبؒ کے اہل خانہ اور ان اعزہ کو جو سندھ میں تھے نیز ان مجاہدین و مہاجرین کو جنھوں نے ہندوستان واپس آنا منظور کیا اپنے پاس ٹونک بلا لیا اور اہلِ تعلق کو ہر طرف سے سمیٹنے کی کوشش کی اور ان کی خدمت و اکرام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اس موقع پر انھوں نے قافلہ کے ذمہ داروں کو جو خط لکھا ہے اس سے ان کے گہرے تعلق، سعادت و تواضع کا اظہار ہوتا ہے، اصل خط یہاں درج کیا جاتا ہے:

"بخدمت اصحاب امام زماں و ارباب صدق و ایقاں، صاعدان معارج حزب اللہ

وساعدان سراج انصاری الی اللہ، رہ نوردان صراطِ مستقیم حضرت روف الرحیم و تاجران مایۂ تجارت تنجیکم من عذاب الیم، شیخ ولی محمد صاحب پھلتی امام قافلہ مجاہدان و شیخ حافظ حاجی وجیہ الدین احمد صاحب باغپتی سالارِ غازیان و مولوی خیر الدین احمد صاحب شیرکوٹی پیشوائے موحدان سلمہم اللہ تعالیٰ۔

از درماندۂ نفس و شیطان، و نادم از ناخدمتی حق کیشان، محمد وزیر خاں المخاطب بوزیر الدولہ والئ ٹونک۔ بہ برادرانِ مکرم و معظم کہ ایں تعلق ناشی از خواجہ تاشی امام زمان است، بعد از مراسم دعاگوئے اسلامی کہ عبارت از انشائے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ باشد، مدعائے دعوتِ برادرانِ دینی و آئینی را بزبان خامۂ ادب طراز بامید منظوری بعرض می رسانم کہ از بدو شعور و فور اشتیاق جہد و سعی باعلائے کلمۃ اللہ درونِ ایں دل گرفتہ و دیعت نہادہ اند، ازیں جاست کہ ہنگام رونق افروزئ امامِ زماں حضرت سید احمد صاحب بہ ٹونک در حیات جنابِ والد بزرگوار مرحوم بشوق ذاتی خود دستِ بیعت بذیل آں پاک داماں کردم، چوں بسن شعور رسیدہ بودم بوجہ انقیاد و اطاعت پدر مہربان بحضور امامِ زماں نتوانستم رسید، اکنوں در درد آں حرماں لاعلاج است کہ خلوتِ ذات مقدس آں حضرت از جلوت ایں عالم بالاتر جا گزید مگر بتوجہ شما برادرانِ طریقت امید دارم کہ طریق مودت و محبت را بقدوم امتنان و احسان بپیمودہ ایں سنگ لاخ مریدان را بشادابئ گلزار جناں رسانند تا از حصول سعادتِ حضوری دوائے دردِ دوری جویم واگر از خدمت امام زماں بے نصیب ماندہ ام از زیارت جانشینان آں سرکار عالی سعادت دارین اندوزم یقین کہ باتباعِ سنّت سنیہ و شریعت مرضیہ را دعوتم را رد نخواہند فرمود و بعد از رسیدن بریدِ سعید زود انہ ہر قدر کہ باشد دریں سرزمین تشریف آوردہ از کلفت

سفر خواہند آسود لہ

فقط بست ویکم صفر المظفر ۱۲۵۲ھ قدسی صلی اللہ علیہ وسلم

نقل دستخط

(محمّد وزیر خاں)

نواب وزیر الدولہ مرحوم ریاست وامارت کے باوجود اس شان کے آدمی تھے جو خانقاہ نشین مشائخ اور عزلت گزیں صوفیوں میں نہیں ملتی، آپ پورے متشرع، متّبع سنّت، پابند مذہب باخدا اور متواضع مسلمان تھے اور صرف روساء و اُمراء ہی کے طبقہ میں نہیں بلکہ علماء وصُوفیہ اور دینداروں کے طبقہ میں بھی ممتاز تھے، سیّد صاحبؒ اور آپ کی جماعت کے ساتھ تو آپ کو عشق تھا، اُن کی خاکِ پا آپ کے سر کا تاج تھی، اُن کی ہر خدمت کو اپنی سعادت سمجھتے تھے، سیّد صاحبؒ کی اہلیہ ٹونک تشریف لا رہی تھیں، آپ نے حکم دے دیا تھا کہ جب پالکی فلاں مقام پر پہنچے تو مجھے اطّلاع کر دینا، یہ مقام ٹونک سے گیارہ کوس پر تھا، آپ وہاں سے پالکی کو خود کاندھا دے کر ٹونک لائے۔

سیّد صاحبؒ کے ایک حبشی غلام یاقوت نامی تھے، جو آپ کے داماد سیّد اسمٰعیل صاحب کی خدمت میں رہتے تھے، نواب صاحب اُن کا بہت احترام کرتے، پالکی پر ہوتے اور میاں یاقوت کو دیکھ لیتے تو فوراً پالکی رکھوا دیتے اور فرماتے کہ یاقوت بھائی خیریت ہے، صاجزادی کا کیا حکم ہے، ایک آدھ مرتبہ تو ایسا ہُوا کہ آپ پالکی پر سوار ہیں، میاں یاقوت کو دیکھ کر فوراً اُتر گئے اور اُن کے لیے دُوسری پالکی منگوائی اور جب تک اُنھیں سوار نہیں کرا لیا، خود سوار نہیں ہوئے۔

سیّد صاحبؒ کی بیعت ومحبت کے اثرات "وصایا وزیری" کی ہر سطر سے ظاہر ہیں جس میں سیّد صاحبؒ کا بہت کچھ تذکرہ اور اپنے جانشینوں کو آپ کے اتباع اور آپ کے طریقہ کی اقتدار کی تاکید ہے۔

۱۸۵۷ء کے واقعہ کے بعد آگرہ میں گورنر جنرل کا دربار ہُوا جس میں حاضری نواب وزیر الدولہ مرحوم

لہ نقل مکتوب عطیۂ شیخ محمد یُوسف صاحب ٹونکی نبیرۂ حافظ وجیہ الدین صاحب پھلتی رحمۃ اللہ علیہ

کے لیے خصوصیت کے ساتھ بعض وجوہ سے نہایت ضروری تھی، اتفاق سے جمعہ کا دن تھا، نواب صاحب نے فیصلہ کر لیا کہ وہ دربار میں نہ شریک ہوں گے، نواب یوسف علی خاں والیٔ رامپور اور سکندر بیگم رئیسۂ بھوپال نے بہت سمجھایا کہ آپ مسافر ہیں اور مسافر پر جمعہ فرض نہیں، پھر آپ موقع تہمت میں بھی نہیں، اس لیے مناسب ہے کہ آپ دربار میں شریک ہوں، نواب صاحب نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے مگر میں ہرگز نہ کروں گا کہ اپنے نفس کے لیے خدا کے دربار کو چھوڑ کر دنیا کے دربار میں شریک ہوں، چنانچہ آپ نے اطلاع دے دی کہ میں دربار میں شریک نہ ہو سکوں گا مجھے نمازِ جمعہ میں شریک ہونا ہے، اس کا جواب آیا کہ اگر ہمیں پہلے سے خیال ہوتا تو ہم جمعہ کو دربار نہ کرتے، مگر اب اعلان ہو چکا ہے اس لیے دربار تو نہیں موقوف ہو سکتا، آپ نمازِ جمعہ پڑھیں، آپ کے لیے دربار خاص منعقد کیا جائیگا[1]

نواب خلد آشیاں کی اس دینداری اور تشرع سے مطابق الناس علی دین ملوکہم ریاست میں دینداری و اتقاء کی ہوا چل گئی تھی اور حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے دورِ خلافت کی ایک جھلک نظر آنے لگی تھی، سارے ہندوستان بلکہ شاید اس وقت ساری دنیائے اسلام میں ریاست ٹونک ہی وہ جگہ تھی جہاں بہت سے شرعی احکام جاری تھے اور دینی زندگی کے بہت سے آثار نظر آتے تھے، آپ کے مذاق طبیعت و رجحان کی وجہ سے ریاست میں متشرع اور دیندار اور متورع جمع تھے، ایک مرتبہ گھوڑوں کے ایک سوداگر نے آپ سے قیمت کا مطالبہ کیا، آپ نے فرمایا کہ مجھے تم سے گھوڑے لینا یاد نہیں، اس نے عدالت میں دعویٰ دائر کیا، عدالت نے اُن کو مدعا علیہ کی حیثیت سے طلب کیا، آپ حاضر ہوئے تو قاضی صاحب اور اہلِ عدالت نے کوئی تعظیم و اہتمام نہیں کیا اور مدعی کے برابر کھڑا کیا، مدعی کے پاس کوئی ثبوت و گواہ نہ تھا، اس لیے آپ پر قسم واجب آئی، آپ نے فرمایا کہ میں قسم نہیں کھاتا، قیمت دے دیتا ہوں، فیصلہ کے بعد قاضی صاحب نے کھڑے ہو کر آپ کی تعظیم کی اور جگہ دی اور فرمایا کہ اب آپ کی حیثیت دوسری ہے، اس وقت آپ مدعا علیہ تھے، آپ اس پر نہایت خوش ہوئے اور اپنے انتخاب پر خدا کا شکر ادا کیا۔

حدودِ ریاست میں تعزیہ داری کی سخت ممانعت تھی، ایک مرتبہ سرونج (مالوہ) کے پرگنہ میں تعزیہ دار

---

[1] امیر الروایات

شورش پر آمادہ تھے، آپ نے حکم دیا کہ اس کام میں تساہل اور رعایت سے کام نہ لیا جائے اور یہ بدعت بند کر دی جائے۔

موسیقی و مزامیر کی بھی ممانعت تھی، لیکن آپ ہمیشہ نہایت لطافت سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرماتے، ایک جگہ باجے کی آواز آئی، آپ وہاں ٹھہر گئے اور ساتھیوں سے فرمایا کہ آج یہاں کوئی نہایت خوش الحان چڑیا آئی ہے میں اس کو دیکھنا چاہتا ہوں اور اس کو پنجرے میں رکھوں گا، لوگوں نے گھر میں گھس کر اس کو توڑ ڈالا اور باہر آکر کہا کہ وہ چڑیا اُڑ گئی، مطلب حاصل ہو گیا تھا اس لیے آپ نے کوئی تعرض نہیں کیا بسا ۱۲۸۱ھ مطابق ۱۸۶۴ء میں نواب صاحب نے ٹونک میں انتقال کیا۔

شیخ ولی محمد صاحب پھلتیؒ آپ سید صاحبؒ کے نہایت معتمد اور جماعت کے ممتاز ترین افراد میں سے تھے، پنجتار میں سید صاحبؒ کی اجازت سے تمام کاروبار اور آپ کے توشکخانہ کا کل اختیار انھیں کے ذمہ تھا، پہلے دہلی کے سفر سے یہ سب کاروبار مولانا محمد یوسف صاحب کے سپرد تھا، ان کے زمانہ میں بھی شیخ ولی محمد صاحب گویا اُن کے پیشکار تھے، واقعۂ بالاکوٹ کے بعد لشکر مجاہدین کا تمام نظم و نسق آپ ہی کے ذمہ رہا، اور سید صاحبؒ کے اہل خانہ اور اُن مجاہدین و مہاجرین کے قافلہ کو (جنھوں نے ہندوستان واپس آنا پسند کیا) آپ ہی اپنی قیادت میں لے کر ٹونک آئے، آپکے واقعات "سیرۃ سید احمد شہیدؒ" میں بکثرت آئے ہیں

—(ط)—

شیخ ہمدانی خالص پوریؒ

—(ی)—

مولوی سید محمد یعقوبؒ برادر زادہ سید صاحبؒ مولوی سید محمد یعقوب سید محمد ابراہیم بن سید محمد عرفان کے صاحبزادہ اور سید صاحبؒ کے حقیقی بھتیجے تھے۔ نہایت متقی اور احکام شرعیہ کا بغایت لحاظ رکھنے والے، نواب وزیر الدولہ مرحوم نے عہدۂ قضا سپرد کرنا چاہا قبول نہ فرمایا اور فرمایا کہ میں سود کی ڈگری پر مہر نہیں کر سکتا، نواب صاحب نے پچاس روپیہ وظیفہ مقرر کر دیا،

سیّد صاحبؒ کے بیحد معتقد تھے اور آپ کے دوبارہ تشریف لانے کے قائل اور منتظر تھے، اسّی ۸۰ برس کی عُمر میں سنہ ۱۲۸۷ھ میں انتقال فرمایا، آپ کے تین صاحبزادے تھے۔ سیّد محمد یُوسف، سیّد محمّد ایوب، سیّد محمّد ابراہیم۔

مُحمّد یُوسفؒ (یکے از امرائے سندھ) مولانا مُحمّد یُوسف پھلتیؒ

قاضی مُحمّد یُوسفؒ مرکی ساکن بمبئی

○

مولانا سیّد خواجہ احمد نصیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیّد احمد شہیدؒ کی ہمہ گیر تحریک کا ایک بڑا جزء اصلاح عقائد و اعمال اور ترویجِ شریعت کا کام تھا جس کی تفصیل سیرت سیّد احمد شہیدؒ میں گذری، یہ کام سیّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے بعد جاری رہا، حضرات اہلِ دیوبند، مجاہدینِ صادقپور اور علماء اہلِ حدیث کی اصلاحی و تبلیغی کوششوں کی رُوداد کتابوں میں ملتی ہے جو گوشہ اس مضمون میں پیش کیا گیا ہے وہ نسبتہً ابھی تک مخفی رہا ہے۔

ابوالحسن علی

خاندان

امیر کبیر شیخ الاسلام سیّد قطب الدین محمد بن احمد المدنی (م ۶۷۷ھ۔ مدفون کڑہ) کی اولاد میں جو ہندوستان کے حسنی سادات کے مورثِ اعلیٰ ہیں — گیارھویں صدی ہجری کی ابتدا میں قصبہ نصیر آباد جائس (ضلع رائے بریلی) میں سیّد محمد فضیل اور سیّد محمد اسحٰق دو نامور بھائی تھے جو علم و فضل، زہد و تقویٰ اور اتباعِ سنّت میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔

حضرت سیّد محمد فضیل کے صاحبزادے حضرت سیّد شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو حضرت سیّد آدم بنوریؒ (خلیفہ حضرت مجدّد الف ثانی) کے اکابر خلفاء میں سے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبتِ خاص، پیرویِ سُنّت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اتباعِ شریعت میں یگانۂ روزگار تھے۔ آپ کی اولاد میں کثرت

سے علما و مشائخ پیدا ہوئے جن میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سب سے زیادہ نامور ہیں۔

حضرت سید محمد اسحٰق کے صاحبزادہ دیوان سید خواجہ احمدؒ تھے جو ایک متبحر عالم صاحب افتار و تدریس اور شیخ طریقت تھے، علوم ظاہری میں شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ کے شاگرد تھے، آپ کے چچازاد بھائی حضرت شاہ علم اللہؒ نے آپ ہی سے پڑھا تھا، شاہ صاحبؒ کی تحریک سے (جب وہ حضرت سید آدم بنوریؒ کے فیض سے مستفیض ہو کر آئے) آپ بھی حضرت سید آدم بنوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت سید ہندوستان سے ہجرت کر کے حرمین تشریف لے جا رہے تھے اور بارش کی زیادتی کی وجہ سے گوالیار میں مقیم تھے، دیوان سید خواجہ احمد صاحبؒ نے وہیں بیعت کی اور تھوڑے دنوں میں کمالات باطنی حاصل کر کے خلافت سے سرفراز ہوئے اور وطن واپس آئے جہاں طالبین کی تعلیم و تربیت میں مشغول رہ کر تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

دیوان سید خواجہ احمد صاحب کی پانچویں پشت میں سید محمد یٰسینؒ ہیں جو باوجود ملازمت شاہی کے ایک صاحب دل اور درویش سیرت بزرگ تھے۔ آپ حضرت سید شاہ نجم الہدیٰ کے خلیفہ تھے جو حضرت سید محمد عدل عرف شاہ لعل صاحبؒ کے خلیفہ مولوی محمد یحییٰ جائسی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے حضرت سید شاہ علم اللہ کے سلسلہ نقشبندیہ میں داخل تھے۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے، سید محمد صاحبؒ اور حضرت سید خواجہ احمدؒ۔

ولادت اور ابتدائی حالات

مولوی سید محمد علی صاحبؒ اپنی کتاب "تخت طاؤس" میں لکھتے ہیں کہ حضرت سید احمد شہیدؒ نے جب جمادی الثانی ۱۲۴۱ھ میں جہاد کے لیے وطن سے ہجرت کا ارادہ فرمایا اور آپ کے مریدین و معتقدین کو اسکی اطلاع ہوئی تو وہ جوق درجوق آپ کی آخری ملاقات اور زیارت کے لیے اپنے شہروں سے دائرہ حضرت شاہ علم اللہؒ رائے بریلی میں حاضر ہوئے، اسی غرض کے لیے آپ کے بہت سے اعزہ اور اہل خاندان مرد اور عورت قصبہ نصیرآباد سے بھی آئے (جو سید صاحبؒ کا قدیم آبائی وطن اور آپ کے خاندان کا دوسرا مسکن تھا) ایک مہینہ آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر رہ کر انھوں نے بھی رخصت چاہی، سید صاحبؒ نے اجازت دی، رخصت ہوتے وقت سید

علی محمد صاحبؒ کی اہلیہ نے عرض کیا کہ میری حقیقی بہن (زوجہ سید محمد یٰسین صاحبؒ) کا ایک پیغام ہے جو میں پہنچاتی ہوں، انھوں نے عرض کیا ہے کہ میرا بچہ محمد طٰہٰ تین سال کی عمر میں جاتا رہا، اس کا غم ابھی تک تازہ ہے۔ میری گزارش ہے کہ جناب دُعا فرمائیں کہ صحت و تندرستی کی اولاد ہو، فرزند نرینہ ہو اور سعادتمند ہو، حضرت نے اپنے معمول کے مطابق کچھ دیر خاموش اور مراقب ہو کر فرمایا کہ انشاء اللہ فرزند ہوگا، جب وہ پیدا ہو تو اس کا نام اسکے جدِ امجد حضرت دیوان خواجہ احمد کے نام پر رکھا جائے، انشاء اللہ وہ فضل و کمال اور علوم دینی میں بعض اعتبار سے اپنے جدِ امجد سے سبقت لے جائے گا۔

انھوں نے یہ خواب بھی بیان کیا کہ میں نے ایامِ حمل کی ابتدا میں دیکھا کہ ماہِ کامل اپنی جگہ سے جنبش کر کے میرے منہ میں چلا گیا اور اس کے روپوش ہونے سے تمام دنیا میں تاریکی پھیل گئی، کچھ دیر کے بعد وہ باہر آ گیا اور اپنی جگہ پر پہنچ گیا، حضرت نے اس کی یہ تعبیر دی کہ اس بچہ کی ولادت سے اس کی پیشانی کا نور چار دانگ عالم میں پھیل جائے گا اور مومنین اور بعض متبدعین کے قلوب کو منور کر دے گا، جہالت کی جو تاریکی اس وقت پھیلی ہوگی اس کی روشنی سے کافور ہو جائے گی، اس کے ہاتھ اور زبان سے دین کی تازگی اور ترقی ہوگی۔

یہ بشارت سن کر وہ اپنے گھر آئیں اور اپنی بہن کو یہ مژدہ سنایا، انھوں نے سجدۂ شکر کیا، عجیب ماجرا ہے کہ، جمادی الثانی ۱۲۴۱ھ کو دوشنبہ کے دن (جس روز حضرت سید احمد شہیدؒ نے ہجرت فرمائی) صبح کے وقت طلوعِ آفتاب سے پہلے حضرۃ سید خواجہ احمد صاحبؒ کی ولادت ہوئی اور اسی روز شام کو بعد نمازِ عصر حضرت سید صاحبؒ نے ہجرت کے لیے رائے بریلی سے کوچ فرمایا۔

تعلیم

آپ نے درسی کتابیں، مختصرات سے متوسطات مختصر المعانی وغیرہ تک اپنے عزیز بزرگ مولانا سید محمد نصیر آبادیؒ سے پڑھیں جو اساتذۂ لکھنؤ اور پھر حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے شاگردِ رشید اور حضرت شہیدؒ کے خلیفہ و مجاز تھے۔

۱۲۵۴ھ میں چودہ سال کی عمر میں آپ کے والد محترم آپ کو مولانا سخاوت علی جونپوری (خلیفہ حضرت سید احمد شہیدؒ) کی خدمت میں باندہ لے گئے، جہاں مولانا نواب ذوالفقار علی بہادر والیِ باندہ کی طرف سے ریاست کے مفتی اور مدرسہ کے مہتمم تھے اور درس دیا کرتے تھے، آپ کے والد آپ کو مولانا سخاوت علی صاحب کے سپرد کرکے چلے آئے، تین سال آپ باندا میں مولانا کی خدمت میں رہ کر علوم کی تحصیل کرتے رہے، مولانا جب باندہ سے اپنے وطن جونپور تشریف لائے تو آپ بھی ساتھ آئے، پھر جب مولانا دوبارہ باندہ تشریف لے گئے تو آپ بھی ہمرکاب تھے۔ ڈیڑھ سال مزید قیام فرماکر علوم کی تکمیل کی اور ۵۹ھ میں اُنیس[۱۹] سال کی عمر میں آپ نے تعلیم سے فراغت حاصل کی، چونکہ مولانا سخاوت علی صاحبؒ آپ کے خاص اُستاد اور مربّی تھے جن کی شاگردی پر آپ کو ہمیشہ فخر رہا اور آپ کے ذہنی و اخلاقی و علمی تربیت اور مسلک و خیالات میں مولانا سخاوت علی صاحبؒ کا سب سے بڑا دخل اور سب سے زیادہ اثر تھا، اور ہمیشہ قائم رہا، اس لیے اس موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سخاوت علی صاحبؒ کی شخصیت اور اُن کے مسلک و ذوق کا اندازہ ہو جائے کہ اس زمانہ میں اُستاذ نہ صرف معلّم ہوتا تھا بلکہ مربّی اور ایک طرح کا شیخ اور امام بھی۔

مولانا سخاوت علی صاحب کو مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ دہلوی اور مولانا عبدالحی بڈھانویؒ سے تلمذ کی نسبت اور حدیث کی سند حاصل تھی، علومِ عقلی و نقلی کی تکمیل مولانا احمد اللہ انامی تلمیذ حضرت شاہ اسحٰق صاحب دہلویؒ سے کی تھی، حضرت سید احمد شہیدؒ سے بیعت تھی اور آپ کے خاص لوگوں میں تھے، سید صاحبؒ مولانا کی درخواست پر اُن کے وطن ہنڈیا ہو ضلع جونپور بھی تشریف لے گئے تھے، آخر وقت تک سید صاحبؒ کے مسلک و طریق پر قائم رہے نہایت متقی، پرہیزگار اور متبعِ سنت بزرگ تھے، آپ کے ذریعہ سے قدیم جاہلانہ رسوم کا ابطال اور مذہبی شعائر کا اجرا بہت ہوا، وعظ و تلقین سے ہمیشہ ردِّ بدعات اور اتباعِ سنت کی ترویج و اشاعت میں کوشاں رہے، فتویٰ مدلّل لکھتے تھے، اقوالِ فقہا میں سے ہمیشہ اُس قول پر فتویٰ دیتے تھے جس کی تائید قرآن و سنتِ صحیحہ سے ملتی تھی، مولانا کا یہ فیض ہے کہ اب تک جونپور میں کوئی سُنّی تعزیہ داری نہیں کرتا، تمام عمر اول وقت پر مسجد میں با جماعت نماز کا خاص اہتمام تھا، عصر کی نماز ہمیشہ ایک مثل پر اور فجر کی نماز قرأتِ طویلہ کے ساتھ غلس میں پڑھتے رہے۔ آخر عمر

میں ہندوستان کے مشہور ہنگامہ ۱۸۵۷ء سے قبل ۶ ماہ مولانا سید امیر علی صاحبؒ کی شہادت کے بعد ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے تھے وہاں بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا ۱۲۷۶ھ میں وہیں انتقال فرمایا۔[1]

آپ نے مولانا سخاوت علی صاحبؒ کی خدمت میں تمام علومِ معقول و منقول کی تکمیل کی، فراغت کے بعد خاندان کے بزرگوں کے اصرار سے وطن واپس تشریف لائے، ۱۴ سال کی عمر میں تحصیلِ علم کے لیے جانے سے پہلے آپ کا نکاح ہو گیا تھا واپسی پر نہایت سادگی کے ساتھ رخصتی کی رسم ادا ہوئی جس میں خلافِ شرع اور فضول مراسم سے پورا اجتناب کیا گیا۔

بیعت و سلوک

پہلا سلسلہ، سب سے پہلے حضرت شاہ یار محمد صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کی جو حضرت سید شاہ نجم الہدیٰ نصیر آبادیؒ کے خلیفۂ اعظم تھے، حضرت سید نجم الہدیٰ عارفِ کامل — محمد یحییٰ جائسی کے خلیفہ تھے اور وہ حضرۃ سید محمدؒ عدل عرف شاہ لعل صاحبؒ کے اور وہ اپنے والد محترم حضرت سید محمدؒ کے، اور وہ اپنے والد محترم حضرت سید شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے، اور وہ حضرت سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے۔ یہ سلسلہ حضرت شاہ علم اللہ کی خصوصیات اور اُن کے فیض کا بہترین حامل تھا، حضرت سید محمدؒ اپنے والد حضرت شاہ علم اللہ کے سب سے چھوٹے اور محبوب ترین فرزند اور اُن کے خاص تربیت یافتہ اور گویا اُن کے ترجمانِ دل اور لسانِ مقال تھے، فرماتے ہیں کہ حضرت والد ماجد نے آخر عمر میں جب کمال اتباعِ نبویؐ اور مشابہتِ محمدیؐ میں تحریر و کتابت بھی چھوڑ دی تو مجھے ارشاد ہوا کہ فوائد و خطوط آنجناب کی طرف سے میں لکھا کروں چنانچہ اس کی وجہ سے سایہ کی طرح ساتھ رہتا اور جو کچھ ارشاد ہوتا اس کو قلمبند کرتا، آخر میں حضرت والد نے لوگوں سے ملاقات بہت کم کر دی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر مشتمل ایک تحریر لکھوائی، جب کوئی ملنے آتا تو مجھے حکم ہوتا کہ میں بجا کر سنا دوں، خواص میں سے

---

[1] ماخوذ از تحریر مولانا ابو بکر محمد شیث صاحب فاروقی جونپوری نبیرۂ مولانا سخاوت علی صاحبؒ

جس کو میں اہل سمجھتا، اس کے متعلق عرض کرتا اور آپ باہر تشریف لاتے اور ملاقات کرتے۔

حضرت سید محمد صورت و سیرت میں اپنے والد بزرگوار سے سب سے زیادہ مشابہ تھے، اور استغنا، توکل، اتباعِ شریعت اور اظہارِ حق اور امر بالمعروف میں والد ماجد کے قدم بقدم، مولانا سید محمد نعمان (عمِ حقیقی حضرت سید احمد شہیدؒ) اپنی کتاب "اعلام الہدیٰ" میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ناظم صوبہ الٰہ آباد[1] مہتہ دیا بہادر ناگر کا لشکر رائے بریلی میں وارد ہوا، ناظم حضرت کی خانقاہ میں خود آیا اور ملاقات کی خواہش ظاہر کی، حضرت سید اُس وقت مکان میں تشریف رکھتے تھے، کسی کی زبانی کہلوا دیا کہ اگر ناظم صاحب کا آنا اُس وقت ہُوا ہوتا جب یہ فقیر مسجد میں بیٹھا ہُوا تھا تو فقیر ملاقات کرلیتا اور امر بالمعروف کا کلمہ کہہ کر اور اسلام کی دعوت دے کر اپنے حق سے ادا ہو جاتا، اب تو اسلام کی تمنا کے بغیر اپنے حجرہ اور مسجد سے نکلنا اور آپ کی ملاقات کے لیے باہر آنا "ہماری شریعت" میں روا نہیں، اگر اسلام قبول کریں تو شوق سے آئیں، مَیں ملاقات کروں گا اور دوستی اور محبت سے پیش آؤں گا، ورنہ میری طرف سے معذرت قبول ہو، باقی یہ فقیر تمام بندگانِ خُدا کے حق میں دُعائے خیر کرتا رہتا ہے۔

لُطف یہ کہ ناظم مذکور اپنی معقولیت اور لیاقت کی وجہ سے ناراض نہیں ہُوا اور بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ کہا کہ سید صاحب اپنے فرضِ امر بالمعروف اور دعوتِ اسلام سے سُبکدوش ہوگئے، مَیں اپنی کم نصیبی سے اس دولت سے محروم ہُوں، یہ کہہ کر واپس آیا اور اپنے مصاحبوں سے کہا کہ ایسا بے نیاز اور متوکل بزرگ اس زمانہ میں نہ دیکھنے میں آیا نہ سُننے میں، بزرگان و مشائخ تو اُمرا اور ناظموں پر اثر ڈالنے اور اُن کو اپنا بنانے کے لیے کیسے کیسے وظیفے اور عمل اور تدبیریں کرتے ہیں، پھر شہر کے قریب کچھ مواضعات کا پروانہ لکھ کر حضرت کی خدمت میں بھیجا اور عرض کیا کہ مَیں بادشاہ کا نائب ہُوں اور مجھے حکم ہے کہ سادات کرام، مشائخ عظام اور درویشانِ عالی مقام کو تلاش اور دریافت کرکے اُن کے لائق اُن کی خدمت کروں، اس لیے یہ درحقیقت بادشاہ کی طرف سے نذر ہے، جناب مجھ گنہگار اور غیر مسلم کو درمیان میں تصور نہ فرمائیں اور اس کو قبول کریں۔

---

[1] اس زمانہ کی حیثیت اور اصطلاح کے مطابق صوبہ کا گورنر

حضرت سید محمدؒ کے صاحبزادے حضرت سید محمد عدل عرف شاہ لعل صاحب اپنے والد کے خاص تربیت یافتہ اور وقت کے جلیل القدر مشائخ نقشبندیہ میں سے تھے، قوت نسبت، معرفت و علو مقامات، اتباع سنت، زہد و ورع، ایثار و استغنا، اور تربیت سلوک میں دور دور مشہور تھے۔ اودھ میں آپ ہی کی ذات طالبین و سالکین کا سب سے بڑا مرکز و مرجع تھی۔ ۱۲ار رمضان المبارک ۱۲۹۲ھ کو وفات ہوئی، مریدین و مستفیدین میں مولانا ازہار الحق فرنگی محلی، مولانا ذوالفقار علی دیوی، قاضی عبد الکریم جراسی، مولانا احمدی کرسوی، شاہ محمد یحییٰ جائسی، مولانا سید محمد نعمان نصیر آبادی جیسے مشاہیر علماء و مشائخ ہیں۔

مولانا خواجہ احمد صاحب اس سلسلہ میں دو واسطوں سے داخل ہیں، ایک شاہ یار محمد صاحب کے ذریعہ دوسرے خود اپنے والد محترم سید محمد یٰسین صاحب کے ذریعہ، دونوں حضرات حضرت سید نجم الہدیٰ کے خلیفہ تھے۔

دوسرا سلسلہ: اس کے بعد آپ نے اپنے استاد اور بھائی حضرت مولانا سید محمد بن اعلیٰ نصیر آبادی کے ہاتھ پر بھی بیعت کی جو حضرت امیر المومنین سید احمد شہیدؒ کے خلیفہ تھے، مولانا سید محمد صاحب نے آپ کو حضرت سید صاحبؒ کے پانچوں سلسلے قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، مجددیہ اور محمدیہ (سید صاحبؒ کا خاص طریقہ) میں خلافت عطا کی۔

مولانا بیان فرماتے تھے کہ پیر اور مرشد اور برادر بزرگ مولانا سید محمد صاحب فرماتے تھے کہ میں نے جب حضرت سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تو سید صاحبؒ نے مجھے خلافت عطا فرمانے کا ارادہ کیا، میں نے عرض کیا کہ میں اس بار کا متحمل نہ ہو سکوں گا، فرمایا اس کو قبول کر لو، ہمارے اور تمہارے درمیان ایک وسیلہ پیدا ہوگا جو اس بار کا متحمل اور اس دولت کا سزاوار ہوگا۔[1]

تیسرا سلسلہ: اپنے استاد شیخ مولانا سید محمدؒ کی وفات کے بعد جب آپ ۱۲۷۸ھ میں حج کے لیے مکہ مکرمہ گئے تو وہاں حضرت مولانا محمد یعقوبؒ مہاجر مکہ (نواسہ حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ) سے طرق اربعہ میں خلافت و اجازت حاصل کی اور چھ مہینہ اُن کی خدمت میں ٹھہر کر اُن کے علوم و کمالات کے فیوض سے مالا مال ہوئے اور اعمال مشائخ کی اجازتیں، سند حدیث اور خرقۂ خلافت اور ملبوس خاص کا عطیہ حاصل کیا۔

اس طرح آپ صرف مولانا محمد یعقوب صاحب کے ایک واسطہ سے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے سلسلہ میں داخل ہیں۔

حج اور حضرت مولانا محمدؒ یعقوب صاحب سے استفادہ

مولانا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ۱۲۷۸ھ میں حج کو گئے، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب دہلوی اپنے برادر بزرگ سند العلماء والمحدثین اُستاذ الہند حضرت محمد اسحٰق صاحب کے ساتھ ۱۲۵۸ھ میں ہندوستان سے مکہ مکرمہ ہجرت کر گئے تھے، حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب نے ۱۲۶۲ھ میں انتقال فرمایا لیکن حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب ۱۲۸۲ھ تک ایک عالم کو فیض پہنچاتے رہے، مولانا خواجہ احمد صاحب مولانا دہلوی کی خدمت میں چھ مہینے مقیم رہے، اس خاندان سے قدیم علمی و دینی تعلقات اور آخری اور سب سے محکم حضرت سید احمد شہید بریلوی کے تعلق اور تعارف کی بنا پر پھر استعداد و اہلیت اور سعادت فطری کی وجہ سے مولانا محمد یعقوب صاحب نے مولانا خواجہ احمد صاحب کی بڑی پذیرائی فرمائی اور اُن کی طرف خاص توجہ مبذول کی، مولانا سید خواجہ احمد صاحب فرماتے تھے کہ تمام علومِ ظاہری و باطنی کی سند مجھے اس مرکزِ رُشد و ہدایت سے حاصل ہوئی اور مَیں نے جو کچھ پایا، یہیں سے پایا، تمام کیفیتوں کا حصول اور زیارت حرمین شریفین کے شرف کا ادراک بھی اُنھیں کی توجہ کا ثمرہ ہے، آپ کے خلیفہ اور بھتیجے مولوی حکیم سید فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ "مہر جہاں تاب" میں لکھتے ہیں کہ "حضرت جب اپنے اُستاد و شیخ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کا تذکرہ فرماتے تو آپؒ پر ایک ذوق و وجد طاری ہو جاتا اور ایسا معلوم ہوتا کہ آپ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہیں، اکثر اُن کا ذکر کرتے وقت آپ کی آنکھیں پُر آب ہو جاتیں اور فرماتے کہ اس کی حسرت رہی کہ آپ کی زیارت کا دوبارہ شرف حاصل نہ ہُوا اور آپ کا وصال ہو گیا۔

ایک مرتبہ ذکر کرتے وقت آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ جب مَیں نے مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفاً کا عزم کیا تو روزانہ دلائل الخیرات کا ایک دَور کرتا تھا، جب زیارتِ قبرِ نبویؐ سے مشرف ہُوا تو قبرِ نبویؐ کے سامنے بیٹھ کر دلائل الخیرات پڑھتا، اُس وقت ایسی کیفیت حاصل ہوتی کہ وطن کی واپسی کا عزم فسخ کر دینے کا جی چاہتا،

اور وہیں پیوندِ خاک ہو جانے کی آرزو ہوتی، ایک مرتبہ درود پڑھتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و جلال اور آپ کی نسبتِ پدری کا ایسا جوش ہوا کہ میں نے چشمِ بصیرت سے دیکھا کہ خود بدولت و اقبال رونق بخش ہیں، یہاں تک کہ ایک روز اثنائِ قرأت دلائل الخیرات میں یہی کیفیت طاری ہوئی اور یہ آواز کان میں پہنچی کہ تمہارا آنا مقبول ہوا، اس مژدۂ جاں فزا سے میرا رُوواں رُوواں تازہ ہو گیا۔

آپ مولانا محمد یعقوب صاحب کا اکثر اپنی مجلس میں ذکر فرماتے اور مکہ مکرمہ کی ان یادگار صحبتوں کو یاد کرتے، ایک مرتبہ فرمایا کہ مولانا کا حکم تھا کہ جب آؤ تو مجھے اپنی آمد کی اطلاع کر دو میں فوراً باہر آ جاؤں گا لیکن بعض مرتبہ میں تعمیلِ حکم کے لیے اطلاع کر دیتا اور بعض مرتبہ انتظار میں بیٹھا رہتا جب آپ مکان سے برآمد ہوتے تو فرماتے کہ تم نے اطلاع کیوں نہیں کی میں عرض کرتا کہ اس خیال سے اطلاع نہیں کی کہ حضرت کسی کام میں ہوں گے میری وجہ سے کام چھوڑ کر باہر تشریف لانا پڑے گا، فرماتے کہ نہیں اطلاع کر دیا کرو اگر کسی ضروری کام میں ہوں گا تو کہلوا دوں گا ورنہ باہر آ جاؤں گا۔

فرماتے تھے کہ جب حضرت شیخ حرمِ محترم میں داخل ہونے لگتے تو میں چاہتا کہ نعلین مبارک اٹھالوں یا کہیں حفاظت سے رکھ دوں لیکن آپ اس کو پسند نہ فرماتے اور اس کام کو کبھی اور خادم کے سپرد کر دیتے، حضرت شیخ کبر سنی کے باوجود اور متعدد خدمتگاروں اور نیازمندوں کے ہوتے ہوئے بھی کسی سے اپنے کام کے لیے نہ فرماتے اور اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتے، ایک مرتبہ حرم سے واپس آتے ہوئے آپ نے ایک تربوز اور کچھ چیزیں خریدیں میں نے چاہا کہ تربوز اپنے ہاتھ میں لے لوں لیکن آپ نے کسی طرح اس کو منظور نہ کیا اور سب چیزیں اپنے ہاتھ میں لے کر آئے۔

تبلیغ و اصلاح

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت و مقبولیت کا سب سے بڑا ثبوت اور آپ کی زندہ جاوید کرامت وہ اصلاح و تغیر ہے جو آپ کی ذات سے رونما ہوا جب سے آپ علم حاصل کر کے آئے دمِ واپسیں تک آپ ہدایت و ارشاد ہی میں مشغول رہے اور آپ نے اپنی زندگی کا کوئی دن یہاں تک کہ مرض موت کا کوئی لمحہ ضائع نہیں کیا۔

اسی کے لیے آپ نے شہروں اور دیہاتوں کے سفر اور دورے فرمائے، اسی لیے آپ لوگوں سے بیعت اور عہد و پیمان لیتے تھے، اسی کے لیے مُریدین کی تعلیم و تربیت تھی اور اسی کے لیے وعظ و تقریر، اودھ اور صوبہ متحدہ کے مشرقی حصّہ میں مدّت دراز سے جہالت و ضلالت کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور یہ خطہ علماء و مصلحین کی ہدایت و توجہ اور اہل اللہ کے انفاس و برکات سے عرصۂ دراز سے محروم چلا آرہا تھا، اس مردم خیز سرزمین میں بلاشبہ بڑے بڑے مجتہدانہ قابلیت کے عُلما غیر فانی مصنّف، جہاں استاد، عالم و معلّم، بادشاہوں کے مخدوم، خادم علم، صاحب دل درویش و صُوفی، صاحب اسرار و حقائق عارف اور صاحب مقامات و کرامات سالک مجذوب پیدا ہوئے، لیکن یہاں شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے خاندان کی کوئی نظیر نہیں ملتی جس کی کوشش و برکت سے دہلی اور سہارنپور کے اطراف و نواح دارالاسلام کا نمونہ بن گئے، اودھ کے ایک جلیل القدر عالم (ملا نظام الدین فرنگی محلیؒ) کا مرتب کیا ہُوا نصاب درس سارے ہندوستان میں رائج ہے اور اس طرح یہاں کے علم کا سکّہ مشرق و مغرب میں رواں ہے لیکن اس جلیل القدر عالم اور اُستاد الہند کے وطن ہی میں اور اس کے گرد و پیش کوئی متشرع زندگی اور دینداری کے آثار نہیں نقشبندیوں کے ایک پُرجوش خاندان (جس کے بزرگوں کا ذکر اس مضمون کی ابتدا میں ہُوا ہے) البتہ اپنے حلقہ میں بڑی اصلاح کی اور بالخصوص احترام شریعت اور اتباع سُنّت کا عَلم بلند کیا، اور تقریباً دو صدیوں تک سُنّت و شریعت کی شمع روشن رکھی اور پھر آخر میں اس کے ایک فرد حضرت سیّد احمد شہیدؒ نے اس کام کا بیڑا اُٹھایا، علماء مصلحین کے ایک گروہ عظیم کے ساتھ اودھ کے قصبات شہروں اور دیہاتوں کا دورہ کیا، شرک و کفر اور بدعات کے خلاف لسانی اور عملی جہاد کیا اور ہزاروں آدمیوں کو اسلام کے صحیح راستہ پر لگا دیا لیکن سفرِ ہجرت و جہاد پیش آجانے کی وجہ سے اس کام کی تکمیل نہ ہو سکی پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ سیّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جتنا اثر یوپی کے مغربی اور مشرقی حصہ پر ہُوا، وہ وسطی حصّہ اور اودھ پر نہیں ہُوا اور یہ دوآبہ آپ کے دریائے فیض سے اتنا سیراب نہ ہو سکا جتنا سہارنپور اور اس کے نواح یا جونپور اور اس کے اطراف میں۔

اودھ کے ان مخصوص حالات اور یہاں کی دینی ویرانی اور بے رونقی اور بدعات کی کثرت کے کچھ تاریخی اسباب ہیں ان میں سے تین سبب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

پہلا اور سب سے بڑا سبب اودھ کی سلطنت ہے، محمد شاہ کے عہد میں اودھ کی صوبہ داری برہان الملک نواب سعادت خاں محمد امین نیشاپوری کے حصہ میں آئی جو اپنی نسل اور تہذیب کے اعتبار سے ایرانی اور مذہباً شیعہ تھے، اُن کے داماد صفدر جنگ منصور علی خاں اُن کے جانشین ہُوئے اور اُنھیں کی اولاد میں یہ سلطنت آخر تک رہی یہاں تک کہ واجد علی شاہ آخری شاہ اَودھ سے انگریزوں نے حاصل کی، اس خاندان کو اودھ پر سوا سَو[125] برس سے زیادہ حکومت کرنے کا موقع ملا، ہندوستان کی ذہنی و اصلاحی تاریخ میں یہ عہد بڑا اہم ہے، اس کے آغاز میں دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنے علوم وفیض سے ایک عالم کو فیضیاب کر رہے تھے، شاہ صاحبؒ نے ۱۱۷۶ھ میں وفات پائی جو نواب شجاع الدولہ کی وزارت (اَودھ) کا زمانہ ہے، شاہ عبد العزیز صاحب آصف الدولہ اور نواب سعادت علی خاں اور غازی الدین حیدر کے معاصر ہیں، شاہ عبد العزیز صاحب کے معاصر لکھنؤ میں مولانا سید دلدار علی نصیر آبادی مجتہد تھے جنھوں نے ہندوستان میں سب سے پہلے شیعوں میں جمعہ وجماعت قائم کی، اُن کے زمانۂ اجتہاد میں مذہب شیعہ کی بڑی اشاعت وترویج ہُوئی، نواب آصف الدولہ کو بھی اس سے بڑی دلچسپی تھی بکثرت شرفا اور متعدد خاندان سادات نے مذہب شیعہ اختیار کر لیا، آخر میں امجد علی شاہ (م ۱۲۶۳ھ) (والد واجد علی شاہ) کو اپنے مذہب کی اشاعت سے خاص شغف تھا اور انھوں نے اس میں بڑا حصہ لیا۔

شیعیت کے ساتھ تشیّع کی بڑی اشاعت ہُوئی، اَودھ کے مسلمانوں میں شیعوں کے خیالات وعقائد بکثرت مقبول ہوگئے اور اُن کی معاشرت میں اُن کے رسوم بے تکلف داخل ہوگئے، سُنیوں میں تعزیہ داری اور مجلس خوانی کا رواج بھی یہاں کی خصوصیات میں سے ہے، بدعات اور بعض مشرکانہ اعمال کی بھی جو کثرت ہے، وہ شاید دوسرے مقامات پر نہ ہوگی پھر اس کے لیے علاوہ عام دینی بے رونقی جو پورے اَودھ میں پائی جاتی ہے، لکھنؤ جیسے بڑے شہر میں جو سو برس سے زائد تک مسلمانوں کا دار السلطنت رہ چکا ہے جامع مسجد کا نہ ہونا اور دُوسرے شہروں میں بھی بڑی اور وسیع مسجدوں کی کمی اور اُن کی بے رونقی اودھ کی خصوصیات اور یہاں کی سلطنت کے آثار میں سے ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ عقائد واعمال کی اصلاح، اتباعِ سُنّت کا ذوق وولولہ، تبلیغ دین، امر بالمعروف

اور نہی عن المنکر کا جوش اور حقیقی روحانیت اور صحیح دینی رنگ قرآن و حدیث سے پیدا ہوتا ہے، انھیں کے مطالعہ سے شریعت و غیر شریعت، سُنّت و بدعت اور اپنے زمانہ اور خیر القرون کا فرق معلوم ہوتا ہے، منطق و فلسفہ اور علُوم ادبیہ اور ریاضیہ کا نہ یہ موضوع ہے نہ ان کو ان باتوں سے سروکار، ان کے مطالعہ اور درس و تدریس اور ان میں انہماک کرنے سے نہ اُن مسائل کی اہمیت پیدا ہو سکتی ہے اور نہ دینی اصلاح و تغیر کا شوق و جوش اور نہ بیدینی یا خلافِ شریعت اُمور پر بے چینی اور بے قراری پیدا ہو سکتی ہے، اُدھر کے عُلما کو انھیں علُومِ عقلیہ میں انہماک تھا، اور اُن میں سے بعض کو ان علُوم میں درجۂ امامت و اجتہاد حاصل تھا، لیکن علمائے اُدھر کی طویل فہرست میں مرزا حسن علی لکھنوی مولانا سیّد قطب الہُدیٰ رائے بریلوی اور مشکل سے ایک دو افراد کو چھوڑ کر (جو شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان کے شاگرد تھے اور وہاں سے حدیث کا ذوق لے کر آئے تھے) ایسے لوگ نہیں ملتے جنھوں نے حدیث سے اشتغال کیا اور اُن کی زندگی اس کی خدمت اور اشاعت میں صرف ہُوئی ہو، بعض عُلما نے علُومِ دینیہ کی طرف توجہ کی اور بعض رسائل اپنی یادگار چھوڑے لیکن یہ اُن کی ذکاوت اور وُسعتِ علم کا نمونہ ہے، ان کو ان علُوم و کتاب و سنّت میں فنا کا درجہ حاصل نہیں تھا اور جب تک کوئی شخص کسی چیز میں فنا نہ ہو اور اس کا عشق اور اس کی رنگینی اس پر طاری نہ ہو جائے اس کے پاس بیٹھنے والوں اور دُوسروں میں اس کا ذوق پیدا نہیں ہوتا اور اس کا وہ رنگ دوسروں تک منتقل نہیں ہوتا، دورِ آخر میں دو عُلما اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں، اور ان سے وہ فائدہ پہنچا جو علماءِ ربانیین سے پہنچنا چاہیے، ایک مولانا عبد الحیٔ صاحب فرنگی محلی، دُوسرے مولانا محمد نعیم صاحب فرنگی محلی رحمہما اللہ تعالیٰ۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ یہاں کے تصوف و طریقت کے خانوادوں اور اہلِ سلسلہ حضرات میں ردِّ بدعات اور ترویجِ سُنّت کا وہ ذوق اور جوش نہ تھا، جو ان خانوادوں اور سلسلوں میں پایا جاتا ہے جو حضرت مجدد الف ثانی یا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے کسی طرح متاثر ہوئے ہیں، ان حضرات کے علوِ مقام، ان کی حقیقت دانی و فرض شناسی سے ہرگز انکار نہیں، ان سے جو دینی اور رُوحانی فائدہ پہنچا، قلوب کی جو تاریکی دُور ہُوئی اور یادِ الٰہی کا جو ذوق پیدا ہُوا اس کے پورے اعتراف کے ساتھ اس حقیقت کے اظہار میں باک نہیں کہ اصلاحِ عقائد و رسوم اور تجدیدِ دین کا یہ گوشہ ان کے دائرہ عمل سے خارج رہا۔

سلاطین، علماء و مشائخ یہی تین عناصر حکومت ہیں جن کے زیرِ اثر مسلمان رہتے ہیں، اودھ کی موجودہ حالت انھیں کے رجحانات مشاغل اور ذوق کا عکس ہے، اس صورتِ حال کے خلاف (جو ایک صدی سے زائد مدت سے قائم تھی، اور جو ان تین طاقتور موثرات کا نتیجہ تھی) جن لوگوں نے قدم اُٹھایا اُن کو قدم قدم پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، ایک اچھا خاصا میدانِ جہاد اُن کے سامنے تھا لیکن انھوں نے اپنے اخلاص، سرگرمی، رُوحانیت اور تبلیغی جدّوجُہد سے اس میدان کو فتح کر لیا۔

حضرت سیّد احمد شہیدؒ نے سب سے پہلے اس میدان میں قدم رکھا، آپ نے حج سے پہلے اودھ کے بیشتر قصبات اور مقامات کے تبلیغی دَورے کیے جن میں آپ کے ہمراہ سو سو آدمیوں سے زیادہ ہوتے تھے ہزاروں آدمی بیعت میں داخل ہوئے اور ہزاروں نے شرک و بدعت اور گناہوں سے توبہ کی، خلافِ شرع امور و رسم کو چھوڑا اور شرک و بدعات کے شعائر و نشانات اور شیعیت کے آثار مٹائے ، .. آدمیوں کے قافلہ کے ساتھ آپ نے لکھنؤ میں قیام فرمایا، علماء دہلی کے مواعظ ہوئے اور دارالسلطنت میں اصلاحِ خیال کی ایک رَو دوڑ گئی اور دینداری اور شرع کی ایک فضا پیدا ہو گئی، یہ کام اور آگے بڑھتا لیکن ۱۲۳۸ھ میں سفرِ حج اور ۱۲۴۱ھ میں سفرِ ہجرت و جہاد کی وجہ سے یہ کام آگے نہ بڑھ سکا۔

لیکن ۱۲۵۹ھ میں جب مولانا سیّد خواجہ احمد نصیرآبادیؒ، حضرت سیّد صاحبؒ کے خلیفہ مولانا سخاوت علی صاحب جونپوریؒ سے تعلیم و فراغت حاصل کر کے اپنے وطن نصیرآباد آئے تو آپ نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا اور نواح میں اس کام کی تکمیل کی۔

آپ کے خلیفہ مولوی حکیم سیّد فخر الدین صاحبؒ "مہرِ جہاں تاب" میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ "ایک عزیز نے خواب دیکھا اور مجھ سے بیان کیا کہ حضرت امام المجاہدین مرشد آفاق سیّد احمد قدس سرّہٗ مسجد میں تشریف رکھتے ہیں اور آپ بھی موجود ہیں، راوی کہتے ہیں میں وضو کر رہا ہوں کہ وضو کر کے اذان کہوں، ابھی میرا وضو ختم نہیں ہوا تھا کہ حضرت سیّد احمد صاحبؒ نے آپ کو (خواجہ احمد صاحب) کو حکم دیا کہ اذان دو، مجھے تعجب ہوا کہ آپ کو اذان دینے کا کیوں حکم دیا، مولانا نے فرمایا کہ مسجد دُنیا میں بہترین جگہ ہوتی ہے اور اذان اطلاع

اعلان کا ایک ذریعہ ہے اس لیے اس کی تعبیر یہ ہے کہ گویا حضرت سیّد صاحبؒ مجھے اپنے طریقہ ترویج دین احیاءِ سُنّت کا حکم دے رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں اس کو ان لوگوں تک جن تک ابھی یہ نہیں پہنچا ہے پہنچا دوں چنانچہ قصبات و دیہاتوں کا دورہ اور گاؤں گاؤں تبلیغ اسی کا ظہور ہے۔

اس تبلیغ و ہدایت کا ایک سبب سے قوی اور موثر ذریعہ بیعت تھا، تحصیلِ علم اور قطع منازلِ سلوک کے بعد جوق جوق لوگوں نے آپ کی طرف رجوع کیا اُس وقت ان اطراف میں آپ سے بڑھ کر عالی سلسلہ صاحب نسبت اور جامع شریعت و طریقت کوئی ہستی نہ تھی اور آپ سے بڑھ کر کوئی عزیمت پر عمل کرنے والا اور صاحب استقامت شیخ نہ تھا، خاندان میں بھی دورِ آخر میں آپ کی ذات تھی، اس لیے جتنے لوگ اس خاندان سے عقیدت رکھتے تھے یا حضرت سیّد احمد شہیدؒ کے سلسلہ سے وابستہ تھے اُن سب نے آپ کی طرف توجہ کی، دیہاتوں اور قصبات کے ہزاروں مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ نے ان کو شرک و بدعت سے تائب کر کے سلسلہ میں داخل کیا اور اتباعِ شریعت اور پیروی سنّت کا عہد لیا، پھر اِن کی نگرانی اور اُن کا احتساب فرماتے رہے اور ان کی تعلیم و تربیت میں کوشاں رہے، ان میں سے بہتوں کو اپنی خدمت میں رکھ کر ان کی تکمیل کی اور جادۂ شریعت پر ثابت قدم اور مُستقیم بنا دیا، دیہاتوں اور قصبات اور شہروں کے سفر اور دَوروں میں سیکڑوں آدمی بیعت ہوتے اور شرک، و بدعت، خلافِ شرع رُسوم و اعمال اور معاصی سے توبہ کرتے اور احکامِ شریعت کی پابندی اختیار کرتے۔ یہ بیعت اصلاحِ عقائد و اعمال کا بہترین ذریعہ تھی اور اس سے آپ کا مقصد یہی تھا۔ چنانچہ اپنے ایک اجازت نامہ میں جو آپ نے مولوی حکیم سیّد فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کو عطا کیا اپنے قلم خاص سے تحریر فرماتے ہیں :

" الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد سید المرسلین وعلیٰ اٰلہ واصحابہ الذین قاموا بنصرۃ الدین، اما بعد میگوید المفتقر الی اللہ الصمد فقیر خواجہ احمد حسنی عفی عنہ واسلافہ کہ مقصود از بیعت بر دست مشائخ طریقت ہمیں است کہ راہ رضامندی حق بدست آید و راہ رضامندی حق منحصر در اتباع شریعت غرا است، ہر کہ سوائے شریعت مصطفویہ را طریق تحصیل رضامندی حق انگارد بیشک

آں شخص کاذب وگمراہ است و دعویٰ او باطل و نامسموع و اساس شریعتِ مصطفویہ دو امر است، اوّل ترک اشراک و ثانی ترک بدعات، بالجملہ در جمیع عبادات و معاملات و امورِ معاشیہ و معادیہ طریق خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را بکمال قوت و علو ہمت باید گرفت۔"

اس کی کچھ اور تفصیل و تشریح اس وصیت سے ہوتی ہے جو اس سلسلہ کے لوگ عوام سے بیعت لیتے وقت کرتے تھے چنانچہ آپ کے خلیفہ حضرت سید شاہ ضیاء النبی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر سے یہ الفاظ نقل کیے جاتے ہیں:

"موافق فرمانے خدا اور رسول کے تعمیل کریں، امر کو بجا لاویں جیسے نماز، روزہ وغیرہ اور نہی سے باز رہیں جیسے شرک و بدعت گناہ مانند سجدہ کرنے واسطے بزرگوں کے زندہ ہوں یا مُردہ اور تعزیہ داری اور ناچ اور رنگ اور سود خواری اور رسُومِ ممنوعہ کہ شادی و غمی میں مروّج ہیں اور سوا اس کے، پس جو اس کے خلاف کرے گا وہ گنہگار ہوگا اور توبہ اس کی شکست ہوگئی تجدید توبہ اس پر لازم ہے۔" ھو الموفق والمعین

یہ دونوں اقتباسات ان حضرات کے حقیقی خیالات کا آئینہ ہیں اور اُن سے بیعت کا اصلی مقصود معلوم ہوتا ہے ان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جو لوگ بیعت اور عہد و پیمان کرتے تھے ان کی کس قدر اصلاح ہوتی ہوگی اور اس سلسلہ سے شرک و بدعات کا کس قدر استیصال اور شریعت و سنت کا کس قدر رواج ہوتا ہوگا۔

تبلیغ کا دوسرا ذریعہ آپ کے مواعظ و نصائح تھے، مولوی حکیم سید فخر الدین صاحب لکھتے ہیں کہ جمعہ کی نماز سے عصر کے وقت تک سفر میں ہوں یا حضر میں برابر وعظ فرماتے اور بسم اللہ سے لے کر والناس تک قرآن مجید کی تفسیر مسلسل بیان کرتے، جب قرآن شریف کا ایک دَور ختم ہوجاتا تو دُوسرا دور شروع کرتے، ایام مرضِ موت اور بعض غیر معمولی حوادث کے علاوہ کبھی اس معمول میں فرق نہیں آیا، ان مواعظ میں خاص مقام اور اطراف و جوانب کے سیکڑوں آدمی شریک ہوتے اور متاثر و مستفید ہوتے۔

تیسرا طریقہ یہ تھا کہ آپ مختلف مقامات پر تشریف لے جاتے وہاں مواعظ ہوتے جب تک قیام رہتا نصیحت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں مشغول رہتے اور دینی مذکور رہتا، اسی عرصہ میں ہزاروں آدمی بیعت و توبہ کرتے اور ان کی زندگی میں تبدیلی ہو جاتی، بہت سے آپ کی مجلس مبارک میں حاضر ہوتے، سُنّت و شریعت کا سراپا نمونہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے، بہت سے مسائل اور دین کے احکام دیکھ دیکھ کر اور خدمت میں رہ کر سیکھ لیتے اور جہاں آپ اپنے رفقا اور خادموں کے ساتھ قیام فرما لیتے وہاں دین کا رواج ہو جاتا اور اس کا ایک رنگ پیدا ہو جاتا، آج تک لوگ اپنے وطن اور قصبات میں آپ کی آمد اور قیام کے قصّے بڑے جذب و شوق سے بیان کرتے ہیں اور اُن کی برکات کو یاد کرتے ہیں جو آپ کی تشریف آوری اور قیام سے وہاں حاصل ہوئے اور آج تک ان مقامات پر کچھ نہ کچھ دین کا اثر موجود ہے۔

آپ کی بیعت و ارشاد اور وعظ و تلقین سے جن ہزاروں انسانوں کی اصلاح ہوئی اور اُن کی زندگی میں کامل تغیّر ہو گیا، ان کی صحیح تعداد صرف اللہ کو معلوم ہے لیکن جن مقامات پر آپ کا جانا زیادہ ہوتا تھا اور جہاں آپ کا یا آپ کے لوگوں کا اثر زیادہ تھا وہاں یہ اصلاحی و دینی اثرات کسی نہ کسی شکل میں اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں، ضلع رائے بریلی پرتاب گڈھ، سُلطانپور، جونپور، اعظم گڈھ، غازی پور وہ مقامات ہیں جہاں آپ کا اثر ہوا، جونپور اور اعظم گڈھ غالباً وہ مقامات ہیں جو بدعات سے تقریباً پاک ہیں اور بعض معمر بزرگوں کا بیان ہے کہ یہ مولانا سید خواجہ احمد صاحب کا فیض ہے۔

ان تبلیغی و اصلاحی سرگرمیوں کی مفصل رُوداد آج ہمیں دستیاب نہیں ہو سکتی نہ اس وقت کوئی ایسا آدمی موجود ہے جو ان سفروں میں ساتھ رہا ہو اور اپنے چشم دید حالات بیان کرے لیکن اس کی تلافی مولوی حکیم سید فخر الدین صاحب کی قلمی تحریر سے ہو سکتی ہے جو ایک چشم دید گواہ ہیں، مولانا کی خدمت میں عرصہ تک رہے اور قریبی خاندانی تعلق کے علاوہ جناب کے خلیفہ مجاز ہیں، آپ کی تبلیغی کامیابی اور دینی اصلاح و تغیر کا ذکر کرتے ہوئے "مہر جہانتاب" میں لکھتے ہیں :

"جب اللہ کی نعمتوں کے حصول کے بعد خلق اللہ پر شفقت نے آپ کو اصلاح حال

پر آمادہ کیا تو سب سے پہلے وطن پھر دُوسرے شہر و دیار کے لوگوں نے جوق جوق کسب
فیض کے ارادہ سے آپ کا قصد کیا اور آپ کے فیوض سے بہرہ اندوز ہوئے، آپ کے
حلقۂ تربیت میں رہ کر اشغال و اذکار و مراقبہ و مشاہدہ کی تعلیم حاصل کی اور ریاضت و
مجاہدہ میں مشغول رہ کر تکمیل کی اور صاحب ارشاد ہو کر اپنے اپنے وطن واپس گئے، اور
حصولِ سعادت کے لیے آنجناب کو اپنے وطن میں تکلیف دی، کچھ زیادہ مدت نہ گزرنے
پائی تھی کہ اس قصبہ کے گردونواح شرک و بدعات کے اثرات سے اور ممنوعاتِ شرعی اور
امراضِ باطنی سے پاک ہو گئے، نماز روزہ کی پابندی عام ہو گئی، بیواؤں کے نکاح کا عام
رواج ہو گیا، نفوس پاک صاف اور صفات و اخلاقِ حسنہ سے آراستہ ہو گئے خصوصاً قبائل
شرقیہ سے اقوام قریشی جو بہائم سیرت تھے اور بھالے سلطان کہ نو مسلم تھے اور انھیں کی طرح
دوسری برادریاں اور قومیں کہ صدیوں سے شرک و بدعات میں مبتلا تھیں بلکہ ہندوؤں کی
طرح اُن کے نزدیک کفر و اسلام میں کوئی فرق نہ تھا، وہ خدا کے فضل سے ایسے پابندِ شریعت
بن گئے کہ اگر اُن کی برادری میں کوئی کسی خلافِ شرع امر کا مرتکب ہو تو اس کو برادری
سے خارج کر دیتے ہیں اور اس کے ساتھ نشست و برخاست ترک کر دیتے ہیں اور
وہ لوگ جو ہمیشہ دھوتی باندھتے تھے اب کُرتا اور شرعی پائجامہ ان کا لباس ہے، دیکھنے والا
یہ سمجھے گا کہ ان لوگوں نے آج اسلام قبول کیا ہے۔"

اس بنا پر اگر آنجناب کو تیرھویں صدی کے آخر کا مجدد کہا جائے تو بجا ہے کہ ملتِ محمدی کو
زندہ اور سنّتِ احمدی کو برپا کیا وہ قومیں جو تیرھویں صدی کے مجدد حضرت سید احمدؒ کے
عہد میں فیض سے محروم رہیں اور جنھوں نے اسلام میں سے کوئی حصّہ نہ پایا، حضرت مخدوم
نماں کے زمانہ میں بہرہ ور ہوئے اور اس کام کی تکمیل ہوئی جس کا حضرت سید شہیدؒ نے
آغاز کیا تھا، ان انبیاء کرام کی طرح جنھوں نے سابق پیغمبروں کی شریعت کے احکام کا اجرا

کیا، اور دُور دُور ان کی اشاعت کی، اس قطب زماں تیرھویں صدی کے مجدد کے کام کی تکمیل کی اور شریک منصب تجدید ہوئے جس طرح ایک عہد میں ایک سے زائد انبیاء ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایک صدی میں دو مجدد ہو سکتے ہیں اور "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ اسی طرح قصبات اور دُور دُور کے شہروں کے مسلمان جو اسلام کا دعویٰ کرنے اور ارکان خمسہ ادا کرنے کے باوجود سنت نبویؐ سے بالکل بیگانہ اور بدعات اور مراسم شنیعہ میں منہمک تھے جیسے مُردوں پر نوحہ ماتم، سیوم و دہم چہلم اور مُردوں کے دوسرے کام اور تیل بانٹن، مہندی، کنگنا ناچ، گانا اور شادی کے دوسرے مراسم، اسی طرح بدعات کی دُوسری قسمیں جیسے انعقاد مجلس میلاد، یا ذکر ولادت مبارک کے وقت قیام اور گیارہویں کی مجلس، بزرگوں کے عُرس نیاز اور اُن سے اپنی دُنیاوی ضرورتوں میں استمداد اور استعانت اور تعزیہ داری وغیرہ اور ان میں سے بہت سے صوم و صلوٰۃ کے تارک، سود خوار تھے، مردوں کے لیے جو لباس ممنوع ہے پہنتے تھے، ڈاڑھی منڈاتے تھے اور دُوسرے خلاف شرع کام کرتے تھے، ان میں سے اکثر ایسے پاک صاف ہو گئے جیسے کپڑا دُھل کر اُجلا ہو جائے اور اس کا سارا میل کچیل اور داغ دھبے مٹ جائیں اور اس کے برخلاف وہ راست معاملہ، صادق القول، اول وقت نماز کے پابند بن گئے، نوافل و اَوراد کا التزام کرنے لگے، سود خواری چھوڑ دی اور تمام اخلاق ذمیمہ اور اعمال قبیحہ سے توبہ کی اور صفات حسنہ اور اعمال مسنونہ سے آراستہ و پیراستہ ہو گئے۔"

(ترجمہ از "مہر جہانتاب" ص۹۴)

آپ کے خلفاء و مریدین کے ذریعہ دین کی جو ترویج اور اعمال و اخلاق و رسوم کی جو اصلاح ہوئی وہ مزید برآں ہے اور اس کا کچھ اندازہ آپ کے خلفاء و مریدین کے تذکرے سے ہوگا۔

معمولات وعادات

جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا مقتدیٰ بنا دے اس کی طرف خلائق کا رجوع ہو اس پر ہزاروں آدمیوں کی نگاہیں رہتی ہوں اور لوگ اس کے حرکات و سکنات کو غور سے دیکھتے ہوں اور اُن کو اختیار کرتے ہوں اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ خلقِ محمدیؐ کا اور سُنّتِ نبویؐ کا سراپا ہو، سفر حضر، گھر اور گھر کے باہر کوئی کام اس سے عزیمت اور سنت کے خلاف نہ ہوتا ہو اور یہ کچھ اس خیال سے نہیں کہ لوگ دیکھتے ہیں یا لوگ کیا کہیں گے بلکہ برسوں کی پابندی، معمولی (معمولی چیزوں کے اہتمام اور اللہ کی توفیق سے یہ سب چیزیں طبیعتِ ثانیہ بن گئی ہوں اور ان کیلئے کچھ زیادہ اہتمام کی ضرورت باقی نہ رہی ہو، تھوڑے وقت کے لیے یا کسی خاص مقام پر تو ہر شخص کے لیے کسی قدر یہ ممکن ہے مگر شب و روز، جلوت و خلوت میں، سفر و حضر میں وہی شخص اس معیار پر پورے طور پر اُتر سکتا ہے، جو اعلیٰ درجہ کا صاحبِ استقامت ہو اور جس نے اس میں پورا مجاہدہ اور ریاضت کی ہو پھر اس بارہ میں اُن لوگوں کی شہادت وقیع نہیں جنھوں نے کسی اجتماع میں یا کسی اہتمام کے موقع پر اس شخص کو دیکھا ہو یا دو چار دن اس کو ساتھ رہنے کا اتفاق ہُوا ہو اس بارہ میں اس شخص کی گواہی بڑی قیمت رکھتی ہے جو سفر و حضر کا رفیق، جلوت و خلوت کا شریک، گھر اور باہر کا دیکھنے والا ہو اور طویل مدت تک مختلف حالات و مقامات میں اس کے ساتھ رہنے اور قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہو، ہم اس موقع پر مولوی حکیم سید فخر الدین صاحبؒ کا بیان پیش کرتے ہیں، حکیم صاحب مرحوم کے حضرت مولانا پھوپھا تھے اور حکیم صاحب آپ کے مکان ہی میں رہتے تھے ان سے کوئی پردہ اور تکلف نہ تھا، ان کو مدتوں آپ کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوتا تھا، آپ نے اپنی کتاب " مہر جہانتاب " (فارسی) میں شب و روز اور سفر و حضر کے پورے معمولات وعادات لکھے ہیں اور حتی الامکان کوئی قابلِ ذکر بات چھوڑی نہیں، یہ سوانح نگاری کا اعلیٰ نمونہ ہے، ہم اس کا ترجمہ پیش کرتے ہیں :

" حضرت مولانا پانچ وقت کی نمازیں ہمیشہ اوّل وقت پڑھتے اور کبھی جماعت نہ چھوٹتی، اگر جنگل میں بھی ہوتے تو حضر و اقامت کی طرح اذان و اقامت کا اہتمام ہوتا

اور مسواک کرنے، قرآن شریف کا ایک مقرر حصہ پڑھنے میں کوئی فرق نہ آتا، صبح ظہر اور شام کی نمازوں کے بعد مریدین وخلفا ومستفیدین آپ کے حلقہ میں شریک ہوتے اور مراقبہ میں مشغول ہوتے، علالت کے دنوں کے سوا کبھی ناغہ نہ ہوتا، اذکار واشغال اور اعمال مشائخ کی تربیت میں پوری توجہ مبذول رکھتے، اشراق وچاشت، اوابین، تحیۃ الوضو، تحیۃ المسجد عصر وعشا سے پہلے مستحبات اور تہجد کا التزام تھا، تہجد کی نماز اکثر جماعت کے ساتھ اور کمتر تنہا پڑھتے لیکن دوسروں سے سوائے ترغیب وتحریص کے جو مواعظ میں آپ فرماتے تھے کبھی تاکید وجبر روا نہ رکھتے لیکن مستفیدین وحاضرین خود بخود اقتدا کرتے تھے اور جماعت کی صورت ہو جاتی تھی، ہمیشہ تکبیر تحریمہ کے بعد ناف پر ہاتھ باندھتے کبھی رفع یدین، آمین بالجہر اور فجر کی نماز میں دعا قنوت نہ پڑھتے نہ اس کی ممانعت میں شدت فرماتے، مزارات پر فاتحہ ہاتھ اٹھا کر نہ پڑھتے نہ سر جھکاتے، مُردوں کا کھانا اور ہندو اور اہل تشیع کی دعوت قبول نہ فرماتے اور فرماتے کہ "طعام المیت یمیت القلب" جن ناموں سے شرک کی بو آتی جیسے حسین بخش وغیرہ ان سے ممانعت فرماتے۔ وبا وغیرہ کے زمانہ میں اجتماعی اذان کا جو کہیں رواج ہے اور دعا کے لیے دونوں خطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھانے سے منع فرماتے، قبر کی لحد کو بند کرنے کے لیے کچی اینٹیں پسند کرتے، الوداع اور عجمی زبانوں کے اشعار کو خطبہ میں پڑھنا پسند نہ کرتے، بالجملہ مکروہات تنزیہی بلکہ مباحات سے بھی حتی الوسع احتراز کرتے۔ فرماتے تھے کہ روزہ میں جھوٹ بولنے غیبت کرنے اور برا بھلا کہنے سے اجتناب کیا جائے، اگر کوئی تمہارے سامنے کچھ کہے یا تمہارے ساتھ اس طرح پیش آئے تو اس سے کہو کہ میں روزہ سے ہوں، والدین کے ساتھ نیکی کرنے اور ہمسایہ کی خبر گیری اور سلوک کی تاکید فرماتے۔ فرماتے والدین کے انتقال کے بعد اکثر خیرات وصدقہ کیا کرو۔

باقتضائے "حب فی اللہ وبغض فی اللہ" (اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے دشمنی) اور عدل جو ہر کام کو اپنے محل پر کرنے کا نام ہے) جس قدر یتیموں پر شفقت، بے کس اور بیوہ عورتوں پر رحم اور بوڑھوں اور ناتوانوں کی امداد و دستگیری فرماتے اور اُن کے ساتھ نرم دلی کا برتاؤ کرتے، اسی قدر ڈاڑھی منڈانے والوں، بے نمازوں اور مشرکین و مبتدعین، بالخصوص شرک و بدعت اور دُوسرے محرمات شرعی پر اصرار کرنے والوں سے ناخوشنودی ظاہر فرماتے، ان اعمال کے مرتکب کیسے ہی صاحب جاہ و صاحب عزت ہوں ہرگز اُن کے ساتھ تساہل اور مروّت نہ کرتے اور اُن کے منہ پر اس کام کی مذمت قرآن وحدیث کے دلائل کے ساتھ فرماتے اور اس کے چھوڑ دینے کا حکم فرماتے بعض مرتبہ ڈاڑھی منڈانے والے کی ٹھوڑی پر ہاتھ مارتے اور اس کو ملامت کرتے کہ یہ کیا امر شنیع ہے "لا یخافون لومۃ لائم" اُن کی شان تھی، کبھی کبھی بڑی بڑی مونچھوں، ڈاڑھی منڈانے والوں اور زُلف درازوں کے بالوں کو خود قینچی سے کاٹ دیتے، خلاصہ یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں نہایت سخت تھے اور اس بارہ میں امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے قدم بقدم تھے کہ نرمی کے موقع پر اتنے نرم تھے کہ گرمی میں دوپہر کو صدقہ کے اونٹوں کو تیل لگا رہے ہیں اور قحط کے زمانہ میں مساکین کے خرچ کے لیے غلّہ کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اُٹھائے لیے جا رہے ہیں اور سختی کے موقع پر اللہ و رسُول کے حکم سے ادنیٰ انکار پر شمشیر انتقام نیام سے نکال لیتے اور یہی عدل کے معنیٰ ہیں۔

حضرت مخدوم زماں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور نصیحت کرنے میں اتنے سخت اور بے پروا کیوں نہ ہوتے جب کہ آپ نے اہل جاہ سے ملنے جُلنے کا کبھی ارادہ بھی نہیں کیا، ان کے یہاں چل کر جانا تو بڑی بات ہے، اُن میں سے جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، اگر شیعہ، ہندو یا مشرک یا مبتدع ہوتا تو اس کی صورت بھی دیکھنا آپ پسند نہ کرتے،

اور اُس کو آنے کی اجازت نہ دیتے اور اگر کبھی وہ حاضر ہو جاتے تو سلام میں ابتدا نہ کرتے بلکہ اُن کے سلام کا جواب دینا بھی ناگوار ہوتا اور سب سے پہلے اس کو اس کے فعل یا عقیدہ پر ملامت کرتے اور ترکِ ممنوعات کی نصیحت فرماتے، دوسرے دولتمند (؟) اور معززین کو بھی جن کا تعلق ان مذاہب و عقائد سے نہ ہوتا، مناسب نصیحت فرماتے اور باقی دُوسرے مسلمانوں کو خواہ وہ عام لوگ ہوں ہمیشہ سلام کرنے میں سبقت کرتے اور اُن کے سلام کے جواب میں مطابق آیت قرآنی "واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منہا او ردوھا" رحمۃ اللہ و برکاتہٗ بھی فرماتے، بوڑھوں اور معمر لوگوں کا ادب کرتے تھے یہاں تک کہ اگر شیعہ یا مبتدع یا کافر بھی ہوتا تو اس کو ملائمت کے ساتھ نصیحت فرماتے، نمازی مسلمانوں سے بڑی خندہ پیشانی اور بشاشت سے ملتے اور اکثر بات مُسکرا کر اور خوش کلامی کے ساتھ فرماتے اور کبھی مکدر اور آزردہ نہ ہوتے خواہ کیسا ہی اہم دُنیاوی معاملہ ہو، ہاں حکمِ شرعی کے خلاف کرنے میں ناراض ہو جاتے اور غصہ میں آجاتے۔

صبح سے شام تک اور رات کو بہت تھوڑا اور وہ بھی دل بیدار اور چشمِ خفتہ کے ساتھ سوتے، آپ کی گفتگو یا تو کلامِ الٰہی ہوتی یا حدیثِ مصطفویؐ یا مواعظ دل پسند یا نماز و تلاوت یا مراقبہ و تربیتِ عصر کے وقت کُتبِ دینیہ کی تدریس میں مشغول ہوتے جیسے فقہ و تفسیر و حدیث۔

برادرانِ دینی کی ضیافت میں سفر و حضر برابر تھا، صُبح سے شام تک اطراف و اکناف سے جوق جوق لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اس لیے باورچی خانہ کا کوئی وقت مقرر نہ تھا، مستفیدین و مریدین ہفتوں مہینوں اور سالوں آپ کے پاس مقیم رہتے اور چاہے کوئی کتنی مُدت رہا ہو، مشکل سے اس کو رخصت فرماتے، آپ کی کوئی معین آمدنی نہ تھی، اس وجہ سے کبھی فراغت ہوتی کبھی تنگی، لیکن ہر حالت میں کھانا مہمانوں

کے ساتھ تناول فرماتے، ہر چیز میں خواہ اس کی مقدار ایک تولہ ہی ہو برابر سب مہمانوں اور حاضرین کو تقسیم فرماتے اور انھیں کے برابر اپنا حصہ بھی لیتے، اسی طرح دوسروں کی ضیافت میں بھی جہاں آپ مدعو ہوتے، راستے میں جو مل جاتا اس کو اپنے ساتھ لے لیتے اور اپنے مہمان کی طرح اُس سے وہی سلوک کرتے۔

آواز بلند و غمناک تھی، قرآن مجید کی تلاوت ترتیل و تجوید سے کرتے۔ ہر جُمعہ میں نیا خُطبہ دیتے اور نیا وعظ فرماتے، بجز خدا عزوجل کے کسی سے نہ ڈرتے، بالجملہ جامع شریعت و طریقت اور حاوی معرفت و حقیقت تھے، ہزاروں آدمی بیعت سے مشرف ہوئے اور تربیت ظاہری و باطنی حاصل کی، کثرت سے عُلمانے ظاہری و باطنی فیض حاصل کیا، اور خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے، اکثر رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کے اندر خلافت عطا کرنے اور دولتِ باطنی بخشنے کا معمول تھا، جب پورا قرآن شریف ایک رات میں کھڑے ہو کر سُنتے، دوسری راتوں میں کبھی تراویح اور کبھی تہجّد میں اس کی نوبت نہ آتی۔"

حُلیہ و لباس

رنگ مبارک تُرکوں کی طرح سُرخ و سفید تھا، ڈاڑھی گھنی اور دراز جس میں کبھی قینچی استعمال نہیں ہوئی بلند بینی، متوسط چشم، فربہ اندام، دموی المزاج میانہ قد تھے۔

لباس، کُرتا اور شرعی پائجامہ تھا جو نیم ساق تک رہتا، کُرتے کا چاک آگے کو ہوتا تھا، عمامہ متوسط شملہ کے ساتھ، حج کے بعد صدری اور گرمی میں سفید جُبّہ اور سردی میں سیاہ یا سبز اُونی جبّہ، کشادہ آستین استعمال کرتے تھے، عیدین میں کبھی سیاہ عمامہ باندھتے جو اُن پر بہت ہی زیب دیتا۔

وفات

محققینِ صوفیہ نے کہا ہے الاستقامۃ فوق الکرامۃ ہر چند کہ سوانح نگاروں نے آپ کے
کشوف و کرامات بھی لکھے ہیں لیکن آپ کی سب سے بڑی کرامت آپ کی وہ بے نظیر استقامت ہے جس کا کچھ
اندازہ آپ کے معمولات وعادات سے ہوتا ہے لیکن اس کا سب سے بڑا نمونہ آپ کے مرضِ موت میں نظر آتا ہے،
جس وقت کہ انسان کا جسمانی اور ذہنی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، وہ سخت جسمانی اور ذہنی تکلیف میں ہوتا ہے
اور لوگوں کو عموماً ایسی حالت میں اپنی زندگی یا عارضی راحت وسکون یا آخر میں اولاد کے سوا کوئی فکر نہیں ہوتی،
اس وقت ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کے سکون واطمینان اور دلجمعی میں کوئی فرق نہیں ہے، اس وقت بھی اللہ اور اللہ
کے دین اور اللہ کے بندوں کی دینی خدمت اور ہدایت کے سوا کوئی فکر نہیں اور اس نازک بیش قیمت اور آخری وقت
کا ایک لمحہ بھی آپ کسی اور شغل میں صرف نہیں کرتے، ایک ایک سنت کا آپ کو خیال ہے کہ سلطنتیں اور خزانے اس
کے سامنے ہیچ معلوم ہوتے ہیں، جسم ناتواں اور بیماریوں سے زار و نزار ہے لیکن قلب پوری توانائی کے ساتھ اپنے خالق
کی طرف متوجہ اور بندوں کو فیض پہنچانے میں مشغول ہے۔ یہ وفات کی کرامت ہزار کرامتوں سے بڑھ کر کرامت ہے
مفصل رُوداد مولوی حکیم سید فخر الدین صاحبؒ کی زبان سے سُنیئے:

"حضرت دموی المزاج تھے، ایک مرتبہ خدا کی مشیت سے ضعف بہت ہو گیا
خدام کی مجلس میں آپ نے اس کا ذکر فرمایا، ایک ناواقف نے قصداً نہیں بلکہ قوت پیدا
کرنے کے خیال سے ناواقفیت کی بنا پر کشتوں کے قسم کی کوئی دوا دے دی، حضرت نے
نوش فرمائی، انھیں مہینوں میں کچھ انڈوں کا استعمال بھی زیادہ ہُوا، اس کی حرارت سے خون
میں کچھ جوش پیدا ہو گیا اور چند دنوں میں بہت بڑھ گیا لیکن مسہلات اور مناسب تدابیر
سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ شکایت زائل ہو گئی اور آپ کو آرام ہو گیا، عین مسہل کے زمانہ
میں ہیضہ پھیل گیا، مسہل ہیضہ میں تبدیل ہو گیا، کئی سو کی تعداد میں اسہال کی نوبت آئی

اور صحت سے مایوسی ہوگئی لیکن فعل الحکیم لایخلو عن الحکمۃ" اس ہیضہ اور اسہال سے اصلی مرض کا مادہ خارج ہو گیا اور مکمل صحت ہو گئی، کچھ دنوں کے بعد قوت بھی آگئی، لیکن کافی مدت تک وطن میں قیام کرنے کے بعد، خدام کی درخواست پر پورب کے نواح کا سفر اختیار فرمایا اور اس میں اس مرض کے اثرات سے پورا پرہیز اور احتیاط نہ ہو سکی، اور دوسرے سال پھر اس نے عود کیا، اگرچہ اس اعادہ میں بھی بہت سی مناسب تدابیر عمل میں لائی گئیں اور سیکڑوں روپیہ صرف ہوا لیکن مرض باوجود اس کے کہ اس کا بڑا حصہ زائل ہو گیا تھا لیکن اس کا مادہ زائل نہیں ہوا اور صحت نہیں ہو سکی یہاں تک کہ یکشنبہ ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۹ھ سے غذا بالکل ترک ہو گئی اور دوا کا استعمال بھی چھوٹ گیا، دونوں سے بے رغبتی پیدا ہو گئی، اسی روز سے مرض کی زیادتی کے باوجود سلطان الذکر جاری ہو گیا، یہاں تک کہ لطائف ستہ میں سے ہر عضو حرکت میں آ گیا اور جا بجا جسم شریف میں عضو معلوم ہوتا تھا کہ اڑ رہے ہیں، قلب کی حرکت سب سے زیادہ تھی اور اسی وجہ سے تمام اعضا میں شدت سے درد پیدا ہو گیا اگرچہ یہ حالت دو تین روز رہی لیکن انتقال کا وقت جتنا قریب آتا گیا، حرکت اور درد بڑھتا گیا یہاں تک کہ سہ شنبہ ۳۰ جمادی الاولیٰ کو ان باتوں میں انتہا درجہ کی زیادتی اور شدت پیدا ہو گئی، دل کی جگہ دونوں ہاتھوں سے تھامے بغیر چارہ نہ تھا لیکن مضبوط تھامنے کے باوجود حرکت کی تیزی اور قوت کی وجہ سے ہاتھ پھسل پھسل جاتا تھا، مریدین کو اس روز عجیب کیفیت حاصل ہو رہی تھی، اس روز صبح سے حضرت کی توجہ بڑی قوت کے ساتھ ان لوگوں پر تھی اور ہر شخص اپنے درجہ کے مطابق اس سے حظ لے رہا تھا، انتقال کے روز قبلہ سے آپ کا رخ ہٹنے نہیں پاتا تھا اگرچہ وہ بہی خواہ جو باطن سے بے خبر تھے درد کے کم ہو جانے کے خیال سے مشرق کی طرف آرام فرمانے کو عرض کرتے تھے۔ مگر

آپ قبلہ سے رُخ نہ ہٹاتے، نمازِ اشراق کے بعد جو شخص بھی عیادت کے لیے آیا اُس کو آپ نے اللہ و رسولؐ کے اتباع کی وصیت فرمائی۔

سب سے پہلے آپ نے اپنے بھتیجے مولوی سید احمد حسن کو اللہ و رسولؐ کی اتباع کی تاکیدیں فرمائیں اور فرمایا کہ تم کو خدا تعالیٰ کے سپرد کیا پھر خواجہ محمد فیض اللہ صاحب سے جو آپ کے سب سے بڑے خلیفہ تھے فرمایا کہ تم معمول کے مطابق اول وقت اذان دینا اور نوافل و اَوراد پر مداومت رکھنا اور جو ذکر و شغل تم نے سیکھا ہے اُس میں ذاکر شاغل رہنا اور دوسروں کو اُن کے سکھانے میں کوتاہی نہ کرنا، تم کو میں پہچانتا ہوں، دوسرا تمھاری قدر نہیں جان سکتا، عُلما ظاہر تو بہت ہیں اہلِ باطن کا دستیاب ہونا مشکل ہے، اسی طرح ہر ایک کو اس کی لیاقت کے موافق وصیتیں فرمائیں اور اپنا ہاتھ اپنے خادمِ خاص اللہ یار خاں پر رکھ کر فرمایا کہ تم نے حقِ خدمت ادا کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا، میری اولاد بھی اگر خدمت کرتی تو اس سے زیادہ نہ کرتی، مَیں تم سے بہت خوش ہوں، تم خیر فلاح کی اُمید رکھو، لوگ ان وصیتوں کو سُن کر اور یہ حالت دیکھ کر رونے لگے، حضرت نے ان کو تسلّی دی اور فرمایا پریشان خاطر مت ہو اور اللہ سے اُمید منقطع نہ کرو چونکہ پہلے سے وصیّت کر دینا مستحب ہے اس لیے یہ چند کلمے مَیں نے کہے ورنہ یُوں میری طبیعت اچھی ہے، اگر کوئی مزاج پُرسی کرتا (تو باوجود سکرات موت کے) اور استغفار و دُعا و کلمہ کے سوا کوئی لفظ زبان پر نہ آتا، اس وقت یہ الفاظ بھی زبان مبارک پر آتے تھے: "شکر ہے، احسان ہے، عنایت ہے، یا اللہ خیر" اس وقت جو شخص عیادت کے لیے آتا، اس سے مصافحہ فرماتے اور اس کا حال اور کیفیتِ مزاج اچھی طرح دریافت کرتے اور اسی طرح رخصت کرتے، اشراق کے بعد سے بار بار ظہر کے وقت کو دریافت کرتے اور صبح سے قبض رُوح تک ارشاد و ہدایت میں مشغول تھے،

حاضرین کو نصیحت فرماتے اور جو بیعت کا ارادہ رکھتا اس سے بیعت لیتے چنانچہ چالیس آدمی کئی دفعہ کرکے اس روز بیعت ہوئے، جو شخص کسی مرض باطنی میں مُبتلا تھا اس کو اس کے ازالہ کی نصیحتیں فرماتے اور باوجود شدّتِ مرض ضعف اور سکراتِ موت کے دونوں طریقوں کے مطابق بیعت لیتے یعنی ایک حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے بیعت لینے کا طریقہ کہ اس میں بہت سے الفاظ ہیں دُوسرے حضرت سیّد احمد قدس سرہٗ کا طریقہ جس میں اختصار ہے بعض مخلصین نے آپ کے ضُعف کو دیکھ کر عرض کیا کہ اس وقت مختصر طریقہ پر بیعت لیں، فرمایا انشاءاللہ دونوں طریقوں پر بیعت لُوں گا، چنانچہ سیّد وجیہ الدین وغیرہ سے اسی طریقہ پر بیعت لی، اس کے بعد طریقۂ دوم پر اقتصار فرمایا، لوگوں نے دونوں صاحبزادوں سیّد خلیل الرحمٰن اور سیّد عبداللہ اور دُوسرے عزیزوں کے بچّوں کو پیش کیا حضرت نے فرمایا، بیعت کی تین قسمیں ہیں، بیعت توبہ، بیعت ارشاد اور بیعتِ تبرک، بچّوں کے حق میں بیعت تبرک ہے اور دوسروں کے حق میں بیعت توبہ اور بیعتِ ارشاد ہے، حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بچہ کو سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں بیعت کے لیے پیش کیا گیا، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس سے بیعت نہیں لی، دستِ مبارک اس کے سر پر پھیرا اور دُعاءِ برکت فرمائی، دُوسری بار ایک آٹھ سال کے لڑکے کو پیش کیا گیا، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس سے بیعت لی، جیسے کہ "القول الجمیل" میں مذکور ہے اگر کسی کو شک ہو دیکھ لے، ایک مُرید نے عرض کیا کہ جناب کے فرمانے میں کس کو شک ہو سکتا ہے فرمایا نہیں اگر کسی کو شک ہو دیکھ لے، اس کے بعد لڑکوں سے بیعت لی۔

عمِ محترم مولوی سیّد عبدالوہاب مرحوم نے بڑے صاحبزادے سیّد خلیل الرحمٰن کو خلافت عطا فرمانے کے لیے عرض کیا حضرت نے ان کی کم عمری کو دیکھتے ہُوئے انکار

فرمایا اور کہا کہ میں نے اپنے بزرگوں سے جو کچھ پایا وہ سید خلیل الرحمن، سید عبداللہ اور
سید مقتدیٰ (جو آپ کے بڑے بھتیجے تھے) کو دیا، باقی جو صالح اور لائق ہوگا اس کو ان
امور کی اجازت ہے، المختصر ظہر سے دو گھنٹے پہلے نفی و اثبات کی ضربیں آواز بلند اور
پورے اطمینان کے ساتھ پیدا ہو گئیں، ظہر کی اذان کے قریب مولوی احمد حسن کو یاد فرمایا
اور حاضر رہنے کی ہدایت کی، ظہر کا وقت ہو جانے کے بعد چار رکعت فرض سورہ کوثر و
اخلاص سے اللہ یار خاں خادم کی گود میں تکیہ کے سہارے پورے اطمینان کے ساتھ ادا
فرمائی، سر مبارک کچھ دیر تک اللہ یار خاں کی گود میں رہا، باوجود اس کے کہ حاضرین نے
دو تین مرتبہ خاں موصوف سے کہا کہ نماز پڑھ آؤ دوسرا آدمی بیٹھ جائے گا لیکن حضرت اس
بارہ میں خاموش رہے، جس وقت مولوی احمد حسن نے نماز کی اجازت چاہی، فرمایا جلد آنا
جب وہ واپس آگئے تو اللہ یار خاں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جب آدمی مر جائے اسکے
دونوں ہاتھ اس کے پہلوؤں میں سیدھے سیدھے رکھ دینے چاہئیں، اس کی آنکھیں بند
کر دینی چاہئیں اور اس کے دونوں پاؤں کو بستر پر سیدھا کر دینا چاہئیے اور پاؤں کے
انگوٹھوں کو باندھ دینا چاہئیے، ڈاڑھی کو کپڑے کے ٹکڑے سے باندھ دینا چاہئیے، اس
تقریر سے عموی مولوی سید عبدالوہاب نے کہا (جو حضرت کے بڑے نسبتی بھائی تھے)
کہ آپ ایسی گفتگو کیوں فرماتے ہیں، لوگ پریشان اور مغموم ہوتے ہیں، فرمایا میں مسئلہ
بیان کر رہا ہوں، اسی اثنا میں دو عورتوں نے بیعت کی درخواست کی، آپ نے
اس کو عصر پر ملتوی رکھا، پھر فرمایا کہ جلد ہاتھ میں ہاتھ دو پھر چند کلمات نصیحت آمیز،
نماز روزہ کی پابندی، لڑائی جھگڑے سے بچنے اور شرک و بدعات کے چھوڑنے کی تاکید
میں فرمائے اور فرمایا کہ مہلت زیادہ نہیں ہے، پھر اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے گھر میں
رسوم بدعات جیسے سہ ماہی چہلم وغیرہ کچھ نہیں ہوتی، رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

کی پیروی ضرور پیش نظر رہنی چاہیئے، اسی اثنار میں برادرم سید محمد ایوب نے پھر اللہ یار خاں کو نماز کی یاد دہانی کی، حضرت نے فرمایا معاملہ درست ہو گیا، پھر محمد مصطفٰے خاں، حاجی نعمت اللہ (جو آپ کے مریدین میں سے ہیں) کا نام لے کر فرمایا کہ ان کو اور دُوسرے برادرانِ دینی کو علی العموم سلام علیک کہنا پھر اللہ یار خاں کی گود چھوڑ دی، پاؤں پھیلا دیے، بدن بستر پر رکھ دیا اور فرمایا دروازہ کھول دو، لوگوں کو باہر کر دو، اب کوئی مجھ سے مخاطب نہ ہو کہ اس وقت میں اللہ کے ساتھ مواجہہ میں ہوں، پھر لب مبارک کو ایک دوبار جنبش ہوئی اور رُوحِ مقدس بکمال بے تعلقی شاداں و فرحاں اوجِ فردوس کی طرف پرواز کر گئی اور مضمون کلام "الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب" ظاہر ہوا "انا للہ وانا الیہ راجعون"

مسجد کے متصل حضرت سید خواجہ دیوان احمدؒ کے روضہ میں دروازے کے متصل دفن ہوئے۔" (مہر جہاں تاب ص۲۷)

اڑتالیس سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی، ولادت ، رجمادی الثانیہ ۱۲۴۱ھ

وفات ۳۰، جمادی الاولیٰ ۱۲۸۹ھ۔

مُریدین و خُلفاء

آپ کے خُلفاء و مریدین میں سے چند اصحاب کے نام لکھے جاتے ہیں، حافظ مولوی محمد جُنید بن حضرت مولانا سخاوت علیؒ، مولوی فیض اللہ ساکن مئو، مولوی احمد علی سرہندی از اولاد حضرت مجددؒ، مولوی محمد شبلی برادر اصغر مولوی محمد جنیدؒ، حاجی مولوی بخش احمد گورکھ پوریؒ، مولانا حافظ عبد العلی نگرامیؒ، مولانا شیخ محمد مچھلی شہریؒ، مولوی سید احمد حسنؒ برادر زادہ و شاگرد حضرت مرحوم، خواجہ محمد فیض اللہ اورنگ آبادی بجنوری، مولوی سید عبد الوہاب بن سید عبد الباقی بریلوی، سید سراج احمد شہید بن سید مہر علی نصیر آبادی، حکیم سید محمد اسلم شہید، سید قطب الہدیٰ بن سید نور الہدیٰ نصیر آبادی، مولانا سید محمد عرفان بن سید محمد یوسف، حضرت سید شاہ ضیاء النبی رائے بریلوی،

مولوی حکیم سید فخر الدین خیالی رحمۃ اللہ علیہ۔

ان میں سے چار بزرگوں کا (جن کے حالات مل سکتے ہیں) مختصر تذکرہ درج کیا جاتا ہے جن سے شیخ کی عظمت اور اُن کی صحبت و تربیت کی تاثیر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ع

قیاس کُن ز گلستانِ من بہارِ مرا

خواجہ فیض اللہ اورنگ آبادیؒ

حضرت سید آدم بنوریؒ کے شبیہ تھے، علمِ ظاہر کے اعتبار سے ناخواندہ لیکن علمِ باطن اور معرفت و سلوک میں کامل البضاعت تھے اور اپنے شیخ کے سب سے بڑے خلیفہ تھے، اورنگ آباد بجنور (ضلع لکھنؤ) کے رہنے والے چودہ سال تک مُرشدِ کامل کی خدمت میں شب و روز رہے اور فیض حاصل کیا، متوکل درویش مجرد، دمِ آخر تک استقامت شریعت میں مُرشد کے قدم بقدم تھے، جب سے اپنے شیخ سے ملے تمام تعلقات ترک کر کے وہیں کے ہو رہے، شیخ کی زندگی میں اُن کے حکم سے مستفیدین آپ کے حلقۂ مراقبہ میں شامل ہوتے اور تربیت حاصل کرتے، مولوی سید فخر الدین صاحب لکھتے ہیں کہ بارہا میری موجودگی میں حضرت نے فرمایا کہ خواجہ صاحب مجھ سے بڑھ کر ہیں اُن کا مرتبہ میں جانتا ہوں، اس مرتبہ کا اندازہ کچھ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت مولانا خواجہ احمد صاحب کی وفات کے بعد حضرت سید شاہ ضیاء النبی صاحبؒ نے خواجہ صاحب سے تربیت حاصل کی اور اپنی تکمیل کی۔ ۱۲۹۶ھ میں دائرہ شاہ علم اللہ میں مسجد کے متصل چبوترہ پر سے گر کر جاں بحق تسلیم ہوئے، انتقال کے وقت سلطان الذکر جاری تھا۔

حضرت سید شاہ ضیاء النبیؒ

مولانا سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ تذکرہ نزہۃ الخواطر (عربی) کی آٹھویں جلد میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

* حضرت سید ضیاء النبی مولوی سید سعید الدین کے صاحبزادہ قطب الاقطاب شیخ اجل حضرت سید شاہ علم اللہ نقشبندیؒ کی چھٹی پشت میں ہیں، دنیا کی برکت خلقتِ انسانی کے مقصدِ کامل وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کی عملی تفسیر اور معرفت کے لب لباب تھے، ان کا وجود اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، رائے بریلی میں اپنے جدِ امجد حضرت شاہ علم اللہ کے دائرہ میں ۱۲۴۲ھ میں پیدا ہوئے احتیاط و نگہداشت، عفت و طہارت اور للہیت میں نشو و نما ہوا، کچھ ابتدائی تعلیم رائے بریلی میں حاصل کی پھر پیدل دہلی کا سفر کیا، بیس دن میں پہنچے، حضرت شاہ احمد سعید اور مولانا شاہ عبد الغنی صاحب کا زمانہ تھا، انھیں کی خانقاہ (مجددیہ) میں قیام کیا، دو سال ٹھیر کر لکھنؤ گئے، دبیر الدولہ کی مسجد میں مفتی سعد اللہ صاحب مرادآبادی کے پاس قیام کیا اور اُن سے اور بعض دُوسرے علماء سے کچھ درسی کتابیں پڑھیں پھر وطن واپس تشریف لائے اور مولانا سید خواجہ احمد نصیرآبادی سے طریقت کی تعلیم حاصل کی اور ایک مدت تک اُن کی خدمت میں رہے، پھر وطن واپس آئے اُن کی وفات کے بعد اُن کے خلیفہ خواجہ فیض اللہ اورنگ آبادی سے مزید تربیت حاصل کی اور اُن کے مجازِ طریقت ہوئے۔

۱۲۹۳ھ میں حج سے مشرف ہوئے حج سے واپسی پر علماء و مشائخ کا بکثرت رجوع ہوا اور انھوں نے حاضر ہو کر طریقت کی تعلیم اور فیوض روحانی حاصل کیے، مریدین میں سے مولانا ابو الخیر مکی جونپوری ابن مولانا سخاوت علیؒ، مولانا محمد سید دوانیؒ، مولانا محمد ابراہیم آروی صاحب مصنف طریق النجاۃ، مولانا عبد القادر بن عبد اللہ ساکن مئو، مولانا سید محمد امین نصیرآبادی وغیرہ ہیں، راقم الحروف کو بھی صحبت کی سعادت حاصل ہوئی ہے میں نے آپ سے طریقہ احسنیہ[1] کی تعلیم حاصل کی اور بعض ابتدائی کتابیں بھی پڑھنے کا

---

[1] حضرت سید آدم بنوری کے طریقہ خاص کو کہتے ہیں جو حضرت شاہ علم اللہ صاحب اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے یہاں رائج تھا۔

شرف حاصل ہے، آپ کو مجھ سے بڑی محبت تھی اور مجھ پر نہایت شفقت فرماتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے مجھے ہندوستان کے اساتذۂ حدیث کی خدمت میں حاضر ہونے کی توفیق بخشی اور وطن واپس ہوا تو آپ نے مجھے حصن حصین سنائی اور اس کی اجازت لی، یہ میرے لیے اتنا بڑا فخر اور اتنی بڑی سعادت ہے کہ میں اُمید کرتا ہوں کہ شاید اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے میری مغفرت فرمادے۔" (نزہۃ الخواطر)

حضرت سید ضیاء النبی رحمۃ اللہ علیہ کے دینی امتیاز کو بیان کرنے کے لیے (مشہور حدیث قدسی کے الفاظ) "قرب بالفرائض" سے بہتر کوئی تعبیر نہیں ہو سکتی، اخلاص و استقامت، فرائض ادا کرنے کا اہتمام عبادت میں خشوع و خضوع، نماز و تلاوت کا سچا عشق اور اُن میں محویت اور استغراق یہ اُن کا امتیاز تھا اور اسی امتیاز نے اُن کا اس زمانہ میں بہت ممتاز کر دیا تھا، ان کے خشوع فی الصلوٰۃ کے قصے سن کر اکابر سلف کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

مولوی سید فخر الدین صاحب جو اُن کے عزیز اور برادر طریقت ہیں اُن کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بغایت التفات بحضرت حق و اتباع سنت حضرت رسول مقبول بکار ما نہ پردازد و غیر از اذکار و اشغال و مراقبہ و اَوراد و نوافل صومی و صلوٰتی و التزام جماعات و حضور مسجد در اوائل اوقات صلوٰۃ کارے ندارد، از بدو شعور و پیش از ارادت مجتنب از منہیات و مستعد بطاعات بودہ است و در عبادات نہایت اخلاص و در نماز خشوع و خضوع و طمانیت و در صوم و غیر آں نیز و پرہیز از غیبت و کذب نصیب اوست"۔ (مہر جہانتاب صفحہ ۱۱۲)

"سیرۃ السادات" میں لکھتے ہیں:

"امروز در اتباع حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم و سلوک بطریقۂ آبا ر عظام خود در خاندان خویش نظیر ندارند سوا قال اللہ و قال الرسول و ذکر ہیر و نصائح در صحبت شاں چیزے نیست و یک نماز خواندہ منتظر نماز دیگر می باشند کہ علامت

اولیاست، وخشوع وخضوعیکہ امروزدر نماز اوشان راست بنظرنمی آید و درکار شریعت رعایت کسے ندارند گو ہمہ عزیز باشند بسیارے از علماء وسادات وشیوخ از دُور و نزدیک بتزکیہ رسیدہ از حضرت ایشاں فیضہامی ربایند وبعیت کردہ وتکمیل خود درسلوک می نمایند حق است کہ دریں زمانہ نام بردار از بزرگان واسلاف ایں خاندان بجز ایشاں نماندہ اوتعہ درعمر ایشاں برکت دہد وسایۂ ایشاں برسرِ ما تا دیر بردارد۔"

تربیت سلوک اور فیض باطنی میں شیخ کامل تھے۔نسبت قوی اور توجہ بڑی مؤثر تھی، قوت نسبت اور تاثیر کے واقعات آپ کے مریدین ومستفیدین بیان کرتے ہیں، مولانا سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ جو خود مشائخ ہندوستان سے فیضیاب اور علم باطن میں صاحب بصیرت تھے، فرماتے تھے کہ :

" حضرت شاہ ضیاء النبی اور جناب والد ماجد (حضرت سید فخر الدینؒ صاحب مہر جہانتاب) کی توجہ سے جو مدارج گھنٹوں میں حاصل ہوئے وہ اور طریق کے مطابق برسوں میں نہ حاصل ہوئے۔بات یہ ہے کہ حضرت سید صاحب (شہید رحمۃ اللہ علیہ) کو درگاہ خداوندی سے جو مجددیت کا شرف حاصل ہوا تھا اس کا منشا یہی تھا کہ اس متمدن زمانہ کے کثیر الاشغال وضعیف البنیان نفوس کے لیے سلوک راہ عبودیت کو آسان بنا دیا جائے۔" (تاریخ گجرات ترجمہ مصنف)

آپ کے ایک خلیفہ حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادی سے جو نفع پہنچا اور عقائد واعمال کی جو اصلاح ہوئی، اُس کے اثرات رائے بریلی، پرتاب گڈھ، سلطانپور، جونپور، اعظم گڈھ کے قصبات و دیہاتوں میں دیکھے جاسکتے ہیں، اُن کے مریدین میں جو تشرع و استقامت، فرائض کی پابندی اور دینی پختگی ہے، اس کی مثال کم ملے گی، گو جر قوم کی اصلاح وتربیت اُن کی زندگی کا بڑا کارنامہ ہے، آپ اپنے زمانہ میں حضرت مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ کے (جن سے آپ حضرت سید ضیاء النبیؒ کے واسطہ سے بیعت ہیں) جانشین اور اُن کے نمونۂ کامل تھے، اور حقیقت یہ ہے کہ شریعت پر استقامت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں آپ اپنے زمانہ کے

امام تھے۔" (تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو "یادگارِ سلف" مولفہ مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی)

مولانا سیّد محمّد عرفان رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیّد احمد شہیدؒ کے حقیقی نواسہ تھے، والد کا نام سیّد محمد یوسف تھا جو سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے سیّد محمد یعقوبؒ کے صاحبزادے تھے، ۱۲۶۵ھ میں ٹونک میں ولادت ہوئی، مختصرات، ٹونک کے علماء اساتذہ سے پڑھیں پھر دیوبند کا سفر کیا اور بعض درسی کتابیں مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں، دیوبند سے بھوپال گئے اور باقی کتابیں مولانا قاضی عبدالحق کابلیؒ سے ختم کیں، صحاح ستہ کا درس مولانا مفتی عبدالقیوم ابن مولانا عبدالحی بڈھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے لیا نیز شیخ حسین بن محسن الانصاری الیمانی سے حدیث کی اجازت لی، پھر دہلی تشریف لے گئے، مولانا سید نذیر حسینؒ کے درس میں شریک ہوئے اور اجازت حاصل کی، پھر سہارنپور جا کر مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے ادب پڑھا، پھر ٹونک واپس تشریف لائے، ریاست کی طرف سے ان تینوں بھائیوں (مولانا سید محمد عرفان، حضرت سید محمد مصطفٰے اور حافظ محمد یونس) کی جاگیر تھی اور حضرت سید صاحبؒ سے قریب ترین تعلق، پھر مولانا سید عرفان اور حضرت سید مصطفٰے کے زہد و تقوٰی و جلالتِ شان کی وجہ سے ریاست میں اُن کا بڑا احترام اور وقار تھا، عبادت، خدمتِ خلق، صلۂ ارحام اور مطالعۂ کتب اور علمی و دینی مشاغل میں زندگی گزار کر ۲۳ ذی الحج میں انتقال کیا۔

بیعت مولانا سید خواجہ احمد رحمۃ اللہ علیہ سے تھی، ان کی وفات کے بعد سید شاہ ضیاء النبی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا۔

مولانا سید عرفانؒ اس دورِ آخر میں سلفِ اولین کا جامع نمونہ تھے، جن لوگوں نے اُن کو دیکھا ہے اور اُن کے ساتھ کچھ دن رہنے کا اتفاق ہوا ہے وہ بالاتفاق کہتے ہیں کہ ہم نے اخلاق و شمائلِ نبویؐ کا ایک زندہ نمونہ اور سُنّت کا ایک چلتا پھرتا اور بولتا صحیفہ دیکھا ہے، اتباعِ سُنّت اور اس کے التزام و اہتمام، حُسنِ اخلاق، صلۂ رحمی اور حقوق شناسی اور تواضع و فروتنی میں اپنی مثال آپ تھے، جو سنن اور معمولات حدیث سے ثابت

میں اُن کی ہمیشہ محافظت فرماتے اور اُن سے کسی وقت غفلت اور ذہول نہ ہوتا، احکام شریعت میں سے (عام دینداروں اور عابدوں کی طرح) صرف عبادات و نوافل ہی کا اہتمام نہ تھا بلکہ اخلاق و معاملات اور حقوق و فرائض کی پابندی کا بھی یہی حال تھا، ہمسایہ کا جتنا خیال اور اس کے حقوق کی جتنی نگہداشت، اس کے ساتھ جتنا سلوک اور امداد فرماتے اس زمانہ میں کم دیکھنے اور سننے میں آیا ہے، عیدالاضحیٰ میں ہمسایہ کی طرف سے قربانی تک کرتے، بعض مرتبہ آپ کو دریافت کرتے سُنا گیا ہے کہ میاں قربانی کا جانور لوگے یا اس کی قیمت، جائداد بھائیوں اور بہنوں میں مشترک تھی، آپ ہی منتظم تھے، ہر ہر چیز شریعت کے مطابق تقسیم کرتے، یہاں تک کہ لکڑیاں اور اُپلے بھی حصۂ شرعی کے مطابق ہر ایک کو پہنچاتے، مہمانوں کی کثرت اور لوگوں کی اعانت کی وجہ سے باوجود معقول جائداد کے زیر بار بھی رہتے اور عُسر و یُسر دونوں سے سابقہ پڑتا، ایک مرتبہ ایک بڑی بی جن کے گھر میں آمد و رفت تھی اور آپ اُن کی کچھ امداد فرماتے تھے، گھر کے کچھ برتن چرا کرلے گئیں، گھر والوں نے آپ کو ملامت کی اور اُن کو برا بھلا کہنا شروع کیا، آپ اُن کے گھر تشریف لے گئے اور کچھ روپیہ اُن کو دے کر معذرت کی کہ ہم سے خدمت کرنے میں کوتاہی ہوئی یہ رقم قبول کیجئے اور برتن واپس کر دیجئے تاکہ آپ کی بدنامی نہ ہو، اعزہ کے حقوق کا بڑا لحاظ تھا، ہر ایک کی قرابت اور اس کے حقوق کے مطابق اور ہر ایک کے درجہ کے موافق اس سے برتاؤ اور سلوک کرتے اور اس بارہ میں بڑے عدل اور بڑی حق شناسی سے کام لیتے اور اس کی بڑی جستجو اور فکر رکھتے اور بڑا اہتمام کرتے، اگرچہ رئیس اور اعیان ریاست آپ کا مخدوم (مرشد زادوں کی طرح احترام اور اعزاز کرتے تھے مگر آپ کو اپنی کسی بڑائی اور فضیلت کا شعور نہ تھا شہر میں اگر کوئی ذی علم آدمی آتا تو آپ اُس سے ملنے میں ہمیشہ پیش قدمی کرتے، اس کے آنے سے پہلے اُس کی جائے قیام پر جاتے اور فرماتے "القادم یزار" اگر کسی مسئلہ میں اشکال ہوتا یا تحقیق کی ضرورت ہوتی تو کسی عالم سے بے تکلف دریافت کر لیتے، بعض اوقات اپنے سے کہیں کم عمر عالم سے پوچھ لیتے، خود عامل بالحدیث تھے لیکن حنفی علما سے پوچھنے میں آپ کو تامل نہ ہوتا تھا، تواضع اور سادگی کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ رائے بریلی تشریف لائے ملازم بیمار ہو گیا، اس کا قارورہ اپنے ہاتھ میں لے کر شہر (جو تکیہ سے فاصلہ پر ہے) حکیم صاحب کے یہاں لے گئے، رقت اور خشیت کا یہ حال تھا کہ عم محترم مولوی سید اسمٰعیل صاحب (فرزند نبیرۂ حضرت سید احمد شہیدؒ) بیان کرتے

ہیں کہ ایک مرتبہ عید کی چاند رات کو آدھی رات کے وقت ایک شخص کی دردناک آواز کے ساتھ رونے کی آواز آئی، اور یہ معلوم ہوا کہ وہ روتا ہوا ایک طرف کو چلا گیا، معلوم ہوا کہ مولانا سید عرفان تھے اور رمضان المبارک کے اختتام پر اس درد سے روتے تھے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا بڑا دلنشین اور مؤثر طریقہ اختیار فرماتے اور ہمیشہ اس حکمت اور موعظۂ حسنہ سے یہ فرض ادا کرتے کہ سننے والے کے دل میں آپ کی بات گڑجاتی اور وہ اپنی غلطی پر اصرار نہ کرتا نہ اس کو غصہ آتا، بعض اوقات تنہائی میں لے جاکر بڑے درد و اخلاص سے سمجھاتے، ایک مرتبہ نواب ابراہیم خاں والی ریاست ٹونک کا پائجامہ ٹخنوں سے نیچا تھا، آپ نے فرمایا کہ مجھے ایک ٹوپی کے کپڑے کی ضرورت ہے، نواب صاحب نے فرمایا کہ تھان حاضر ہیں، آپ نے کہا کہ نہیں جتنا کپڑا آپ کے ٹخنے سے نیچا ہے اسی میں میری ٹوپی بن جائے گی، خلاف شرع وضع وصورت کو سخت ناپسند فرماتے اور ملائمت کے ساتھ نصیحت فرماتے رہتے اور اکثر اس موقع پر یہ آیت تلاوت فرماتے اور اس سے ظاہر کی اہمیت پر استدلال کرتے، وذروا ظاهر الاثم وباطنه فرماتے دیکھو ظاہر کو اللہ نے مقدم کیا ہے۔

ان فضائل دینی کے ساتھ عربی ادب و شاعری کا پاکیزہ مذاق رکھتے تھے اور شعر گوئی پر اچھی قدرت تھی، اشعار صاف رواں اور بے ساختہ ہوتے تھے، بعض مرتبہ بڑی بے تکلفی سے آیات و الفاظ قرآنی کی تضمین ہوئی، شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی مرحوم نے آپ سے خواہش کی تھی کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ادب کی تعلیم دیں اور ادیب کا عہدہ قبول فرمائیں، آپ نے اپنے استغناء میں اس کو منظور نہیں کیا۔

حضرت سید مصطفےٰ رحمۃ اللہ علیہ

یادش بخیر حضرت سید مصطفےٰ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سید احمد شہیدؒ کے گھر کے چشم وچراغ اور زہد و ورع اور اتباعِ سنت میں سلف صالحین کی یادگار تھے، حضرت سید شہیدؒ کے حقیقی نواسہ اور مولانا سید عرفان کے چھوٹے بھائی تھے، ان کے حالات واخلاق کے لیے ایک مستقل رسالہ درکار ہے، ان کا مرتبہ پہچاننے کے لیے مولانا سید عبدالحیؒ کی شہادت کافی ہوگی جو مورخانہ احتیاط اور اعتدال میں اپنے زمانہ کے ابن خلکان تھے، معرفت رجال میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بصیرت

عطا فرمائی تھی، اُن کے کسی کی تعریف میں دو چار جملے صفحوں پر بھاری ہیں۔ نزہۃ الخواطر کی آٹھویں جلد میں مولانا سید مصطفیٰ کا تذکرہ ملاحظہ ہو:

"(ترجمہ) سید شریف، علامہ عفیف مصطفیٰ، سید محمد یعقوب صاحب کے بیٹے ہیں جو سید ابراہیم کے بیٹے تھے جو سید عرفان (والد سید احمد شہیدؒ) کے بیٹے تھے، آپ کی ولایت اور عظمت پر سب کا اتفاق ہے، اصل وطن رائے بریلی تھا، وطن ثانی ٹونک ہے وہیں وفات پائی اور نشوونما ہوا، پہلے قرآن مجید حفظ کیا پھر کچھ مدت تک مولوی عبدالغفور صاحب نحوی ٹونکی سے عربی کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد آپ نے ٹونک سے باہر کا سفر کیا اور مولانا امیر حسن سہوانی کے صاحبزادہ مولانا امیر احمد سے اور علامہ عبدالحیؒ فرنگی محلی سے درسیات کی تعلیم حاصل کی، حدیث کا علم مولانا نذیر حسین محدث دہلویؒ سے حاصل کیا پھر وطن واپس آئے اور ایک مدت تک درس دیا اور فائدہ پہنچایا، پھر حرمین شریفین کا سفر کیا، حج و زیارت کی اور حجاز میں ایک سال مکمل قیام فرمایا۔

حضرت مرحوم نہایت فراخ سینہ، کشادہ دست، فیاض، خدا کے خوف میں کثرت سے رونے والے دردمند پُرسوز تھے، علماء اور صوفیوں کے لباس کے عادی نہ تھے، بڑا عمامہ اور لانبی آستینوں کی عادت نہ تھی، حدیث شریف ہی پر عمل کرتے تھے، ہمارے اُستاد حضرت مولانا محمد نعیم فرنگی محلی باوجودیکہ مذہب حنفی میں بہت سخت تھے مگر حضرت سید مصطفیٰ کا تقویٰ و احتیاط دیکھ کر فرماتے تھے کہ مولانا سید مصطفیٰ جیسے آدمی کے لیے جائز ہے کہ حدیث کا خود تتبع کرے اور اپنی تحقیق کے مطابق عمل کرے۔

مختصراً آپ اللہ کی طرف توجہ و التفات میں، عبادت میں مشغولیت اور اپنی للّٰہیت میں یگانۂ روزگار اور فردِ زمانہ تھے، علم و عمل کی جامعیت زُہد و تواضع حُسنِ سلوک اور تہذیب و اخلاق، دینی رہبری اور حق کے راستوں کی طرف رہنمائی اور ضرورتمندوں

کی امداد و اعانت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں آپ کی محبت پیدا
کر دی تھی، ورع میں میری آنکھوں نے آپ کی نظیر نہیں دیکھی اور اتباعِ سُنّت میں
مجھے آپ کا ہمسر نہ ملا۔

آپ ہمارے حضرت سید احمد شہیدؒ کے نواسہ تھے، چہار شنبہ ۲۴ شعبان ۱۲۹۰ھ
کو انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ ونفعنا ببرکاتہ"

حضرت سید مصطفیٰ کا رنگ بچپن ہی سے اپنے ہم عمروں سے مختلف تھا، طفولیت ہی سے سعادت اور ولایت کے آثار ظاہر تھے، عمِ مرحوم سید خلیل الدین صاحب جو آپ کے ہم عمر تھے، فرماتے تھے کہ سید مصطفیٰ جب بچپن ہی میں رائے بریلی آئے، ہم بچوں کے ساتھ گلّی ڈنڈا کھیلتے لیکن اگرچہ وہ گلّی ڈنڈا کھیلنے کا زمانہ تھا (جو کم سنی اور بے خیالی کے لیے ضرب المثل ہے) مگر اس وقت بھی اُن کا یہ حال تھا کہ بغیر بسم اللہ کے نہ ڈنڈا اُٹھاتے اور نہ گلّی رکھتے، ڈنڈا اُٹھاتے تو بسم اللہ کہتے اور گلّی مارتے تو بسم اللہ کہتے۔

جوانی میں بھی زُہد و ورع کا وہی حال تھا جو صاحبِ استقامت شیوخ میں ہوتا ہے، غیبت سے اس قدر اجتناب تھا کہ آپ کی موجودگی میں آپ کے بعض اُستاد خاص طور پر خیال رکھتے تھے اور مجلس درس میں کسی تنقید اور کسی کا بُرائی کے ساتھ ذکر کرنے میں آپ کی رعایت سے احتیاط کرتے تھے۔

حرام و مشتبہ کھانے سے سخت احتراز رہا، اگر کوئی لقمہ پیٹ میں چلا گیا اور اس کے بعد آپ کو معلوم ہُوا کہ وہ مشتبہ تھا تو قے کر دیتے تھے۔

اوّل وقت نماز کا بڑا اہتمام تھا، مولوی سید حسن مجتبیٰ (دفینِ جنت البقیع) کو جو آپ کی صحبت میں رہا کرتے تھے، حکم تھا کہ جب نماز کا وقت ہو جائے تو ذرا دیر نہ کی جائے، بعض اوقات زینہ پر ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ جماعت کھڑی کرو، حدیث کا درس دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ نواب صاحب (نواب ابراہیم علی خاں والیٔ ریاست ٹونک) اثناءِ درس میں تشریف لے آئے، آپ نے اُن کی کوئی تعظیم نہ کی، درس کے بعد فرمایا کہ نواب صاحب میں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پڑھا رہا تھا، اس لیے میں اس کو چھوڑ کر آپ کی تعظیم نہ کر سکا۔

ایک مرتبہ صاحبزادہ اسحٰق خاں (برادر نواب ابراہیم علی خاں والی ریاست ٹونک) نے آپ سے عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ کسی حدیث کا مضمون ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی ہدیہ پیش کرے اور اشراف نفس نہ ہو تو اس کو قبول کر لینا چاہیئے، فرمایا ہاں حدیث میں اس طرح آتا ہے، انھوں نے کہا کہ یہ تین سو روپیہ پیش کرتا ہوں آپ قبول فرمائیے، مولانا نے روپیہ اُن سے لے لیا اور سب غریب اعزہ اور اہل حاجت پر تقسیم کر دیا۔

بدعات سے اتنا اجتناب کہ لڑکی کی طرف سے ولیمہ سے پہلے جو کھانا ہوتا ہے اُس میں شریک نہ ہوتے تھے، ہمیشہ عزیمت پر عمل کرتے، سخت بیماری میں بھی شکر کے سوا کبھی شکایت کا کلمہ زبان سے نہ نکلتا، مرض موت میں حکیم برکات احمد صاحب (مشہور عالم معقولات اور طبیب سرکاری) دیکھ کر باہر نکلے، لوگوں نے حال دریافت کیا کہا کیا بتاؤں سوائے الحمد للہ اور اللہ کا شکر ہے کے اور کچھ بتلاتے ہی نہیں۔

بیماری کی سخت تکلیف میں ایک مرتبہ اُف زبان سے نکل گیا تو زار و قطار روئے اور دیر تک استغفار کیا بہر حال تورع و استقامت میں اپنی نظیر آپ تھے اور اس دورِ اخیر میں ایسا نمونہ دیکھنے میں نہیں آیا، مولانا سید عبد الحیؒ کے یہ الفاظ گذر چکے کہ "ورع و اتباعِ سنّت میں میری آنکھوں نے آپ کی مثال نہیں دیکھی" وکفیٰ بہ شہادۃ ۱۲ منہ

مولوی حکیم سید فخر الدینؒ

مولوی سید عبد العلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ تھے جو باوجود سرکاری ملازمت کے درویش سیرت اور نہایت خاشع اور متواضع بزرگ تھے، حضرت سید احمد شہیدؒ سے بیعت و تربیت اور آپ کے خلیفہ حضرت مولانا سید محمد علی رامپوری سے تلمذ کا شرف حاصل تھا۔

۱۲۵۶ھ میں حضرت شاہ علم اللہ کے دائرہ میں ولادت ہوئی، آپ کے نانا مولانا سید محمد ظاہرؒ جو ظاہر و باطن حضرت سید احمد شہیدؒ کے خلیفہ مجاز اور اُن اطراف میں اپنے وقت کے سب سے بڑے شیخ طریقت اور عالم و مفتی تھے

بچپن میں والدین کے ساتھ ناگور (بندھیلکھنڈ) گئے جہاں آپ کے والد ماجد تحصیلدار اور قاضی تھے وہیں آپ نے اپنے والد مرحوم اور مولوی رحیم بخش جائسی، مولوی محمد طٰہٰ نصیر آبادی (والد مولانا سید امین نصیر آبادی)

سے مختصرات اور طب کی بعض کتابیں حکیم احمد جان دہلوی سے پڑھیں، والد کی وفات کے بعد وطن واپس تشریف لائے اور کچھ مدت تک اپنے نانا حضرت مولانا سید محمد ظاہرؒ سے تعلیم حاصل کرتے رہے پھر ۱۸۸۲ھ میں لکھنؤ گئے اور مولانا محمد نعیم صاحب فرنگی محلی سے شرح وقایہ، مشکوٰۃ اور تفسیر جلالین پڑھی۔ طب کی اعلیٰ کتابیں حکیم مولوی محمد یعقوب صاحب لکھنوی سے ختم کیں اور تین سال اُن کی خدمت میں رہے اور طب میں شرکت کی۔ شعر و سخن کا فطری ذوق تھا، فارسی کلام سید محمد صفا نی حریف کو دکھایا اور اُردو کی اصلاح منشی امیر اللہ تسلیم سے لی اور اُن سے خطاطی کا فن بھی سیکھا۔

لکھنؤ سے واپس آکر حضرت مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ کا دامن پکڑا جو آپ کے والد کے حقیقی خالہ زاد بھائی اور آپ کے پھوپھا تھے، آپ کی خدمت میں ٹھیر کر سلوک کی تعلیم حاصل کی اور اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے، مولانا نے آپ کو اپنی تمام مرویات و مسموعات و مفردات کی اجازت دی جو آپ کو مولانا سخاوت علی جونپوری مولانا محمد یعقوب دہلوی اور مولانا سید محمد نصیر آبادیؒ اور دوسرے مشائخ سے حاصل تھی۔

پھر آپ حصولِ معاش کے لیے اودے پور، حیدر آباد، بھوپال، ٹونک وغیرہ گئے، آخر عمر میں وطن میں گوشہ گیر ہو گئے اور زہد و قناعت اور گمنامی کی زندگی اختیار کی اور تصنیف و تالیف اور ذکر و عبادت میں مشغول رہ کر عمر گزار دی۔

آپ فارسی کے صاحب قدرت نثّار اور ادیب اور اُردو فارسی، بھاشا کے قادر الکلام شاعر تھے تصنیفات کے لحاظ سے آپ کا شمار اپنے زمانہ کے بہت بڑے مصنفین میں ہونا چاہیے، نثر و نظم کا ایک بہت بڑا کتب خانہ اپنی یادگار چھوڑا جو تقریباً کُل غیر مطبوعہ ہے، آپ کی سب سے عجیب و غریب تصنیف "مہر جہاں تاب" ہے (جس کا حوالہ اس مضمون میں جا بجا آیا ہے) یہ فارسی کا مکمل دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) ہے جس میں تمام علوم و فنون، عُلماء شعراء مشائخ صُوفیہ اور ماہرین علم و فن کا تذکرہ اور تمام ضروری معلومات اور تاریخ کا ذخیرہ ہے، پہلی جلد فل سکیپ سائز کے تیرہ سو صفحوں میں تمام ہوئی ہے، پُوری کتاب مصنف کے شیریں و یکساں خط میں لکھی ہوئی ہے، اُردو، فارسی اور ہندی کے متعدد دیوان، نظموں کے مجموعے اور تاریخ و انساب اور تذکرہ پر متعدد تصنیفیں ہیں جو اگر متعدد اشخاص

پر تقسیم کردی جائیں تو ہر ایک کو مصنّف بنا سکتی ہیں۔

ان علمی کمالات کے ساتھ (جن کو زندگی میں بھی کمتر لوگوں نے جانا) باطنی کمالات سے بھی مالامال تھے اور وہ ان علمی کمالات سے زیادہ مستور و مخفی رہے، حضرت مولانا سید خواجہ احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی خصوصیت و توجہ سے ان کی باطنی تربیت کی تھی، مہر جہانتاب میں لکھتے ہیں کہ بعض اوقات میری طبیعت کچھ خراب ہوتی اور مجھے ضعف و تعب ہوتا تو میری تکلیف کا بغیر میرے اظہار کیے ہوئے اپنے وجدان و فراست سے ادراک فرما لیتے، اور فرماتے کہ آج میرے سر میں درد ہے آج حلقہ نہیں ہوگا، رمضان کے عشرۂ اخیر میں حلقۂ مراقبہ تہجد کی نماز کے بعد ہوتا تھا، ایک رات آپ نماز کے بعد کچھ دیر آرام فرمانے لگے، خواجہ محمد فیض اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو آپ کے خلیفۂ اعظم اور سر حلقہ تھے فرمایا کہ جس کا جی چاہے حضرت سے اجازت لے کر آ جائے، حلقہ ہوتا ہے چنانچہ سب رفقاء آپ کے حلقہ میں شریک ہو گئے، مَیں بھی شریک ہُوا لیکن مجھے قلق تھا کہ مَیں تو دامنِ خاص سے وابستہ ہُوں، آج یہ بے التفاتی کیوں فرمائی گئی، مَیں حلقہ میں شریک رہا لیکن اس فکر و تردد سے مجھے خاطر خواہ فائدہ اور انشراحِ قلب حاصل نہ ہُوا حلقہ کے اختتام کے بعد جیسے میرے اس خیال کا انعکاس ہُوا حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ آؤ کچھ دیر میرے پاس بیٹھو، آپ نے خاص توجہ دی، دُوسرے رفقاء بھی شریک ہُوئے اور مجھے خاص حظ اور لُطف حاصل ہُوا اور دل کی گرہیں کُھل گئیں۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کا بڑے ذوق و وجد کے ساتھ ذکر کرتے ہُوئے فرمایا کہ مَیں چاہتا ہُوں کہ تم بیعت کی دوبارہ تجدید کرو اور وہ نسبت جو مجھے پیرِ معنوی حضرت مولانا محمد یعقوب نور اللہ مضجعہ سے پہنچی ہے تمہیں عطا کروں، بندہ نے عرض کیا حبا و کرامۃ، فرمایا کہ اس ماہِ مبارک کی ستائیسویں شب کو جو شبِ قدر ہے، اس کو لکھ کر دُوں گا اور اس طریق کے صیغے جو دُوسرے طریقوں سے ہیں زبانی بتلا دوں گا چنانچہ اس شبِ مبارک میں یہ وعدہ پورا ہُوا اور وعدہ سے بڑھ کر مجھ پر الطاف ہُوئے جو میں اپنی پُرتقصیر زبان سے ظاہر نہیں کر سکتا۔

وطن میں آپ نے اپنی عمر اس طرح مستور الحال رہ کر اور اس سادگی و بے تکلفی عزلتؒ خاموشی تواضع اور بے تکلّفی کے ساتھ گزاری کہ آپ کے ہم وطنوں اور عزیزوں میں سے کسی کو مشکل سے آپ کی علمیت اور بزرگی کا

احساس ہوتا ہوگا اور آپ کا کوئی امتیاز نظر آتا ہوگا، عمر کا بڑا حصہ عسرت اور معاش کے تردّدات اور افکار میں گزرا جس سے آپ کے کمالات اور ذاتی جوہروں پر اور پردہ پڑا رہا، اور ابنائے زمانہ کی آنکھوں سے آپ کی صحیح حیثیت اوجھل رہی، یہ پورا زمانہ بلکہ پوری عمر آپ نے بڑے صبر و استقامت خودداری اور زہد و قناعت سے گزار دی۔

آپ کا دل بہت صاف تھا، حسد و کینہ اور غصہ سے بہت دور تھے، کسی کا ذکر برائی سے نہ کرتے، مال کی حرص نہ تھی، عزت و جاہ سے کچھ سروکار نہ تھا، اپنے کام سے کام تھا، دوسروں کے جھگڑوں میں دخل نہ دیتے خاندانی مناقشات سے ہمیشہ الگ رہتے اور اپنے تعلقات اور وضع داری میں فرق نہ آنے دیتے، جس سے ملتے اُس سے ملتے رہتے، صلۂ رحمی اور عزیز داری کا بڑا لحاظ تھا، اپنے کسی کمال یا امتیاز کا خود بھی کوئی احساس نہ تھا، باوجود اسکے کہ حضرت مولانا خواجہ احمد صاحبؒ سے خلافت و اجازت رکھتے تھے، منازلِ سلوک سے بخوبی آگاہ اور ہمیشہ ذکر و شغل و نوافل میں مشغول رہے مگر کبھی کسی کو بیعت نہیں کیا اور نہ اپنے کو مشیخت و ارشاد کا اہل سمجھا۔

"سیرۃ السادات" میں اپنے برادرِ طریقت حضرت سید ضیاء النبیؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"افسوس فقیر کاتب و ایں بزرگ در یک روز بیعت کردیم او شاں بمراد رسیدند و من نامراد، باوجودیکہ مرا خلافت از مولانا صاحب و ایشاں محض مرید شدہ بودند لیکن ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل ۔۔۔ کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق ۔۔۔ او بصحرا رفت و ما در کوچہا رسوا شدیم

اسی کتاب میں اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"آفتابِ عمرش بمرحلۂ شصت و ششم رسیدہ ظاہر قریب بغروبست بیعت طریقت از قدوۃ الراسخین سید خواجہ احمد نصیر آبادی قدس سرہٗ دارد، اما نسبت ایں کار با آنحضرت کردہ شرمش می آید چنانکہ نسبتِ ناخلفی خویش بحضرت اطہر الطاہرین، سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم، زیرا کہ ہمہ عمر راہ بطالت پیمودہ اکنوں کہ آفتابِ عمرش لب بام است ہم رہینِ معاصی و آثام است و می نمیگزرد کہ خیالِ عصیان و تمرد از بارگاہِ جلالِ ایزدی

جلت عظمتہ دامن وشس محکم بگیر واز طاعات شاذو نادر آنچہ کردہ برابر باکردہ است کہ
برروئے سیاہش خواہند زدکہ کالائے بدبریش خاوند بجز فحوائے آیہ کریمہ قل یاعبادی
الذین اسرفوا علی انفسہم لاتقنطوا من رحمۃ اللہ وآیہ کریمہ ان الذین اٰمنوا
وعملوا الصالحات الحقنا بہم ذریتہم وحدیث الطالحون لی" اُمیدے وابضاعتے
ندارو اگر محض کرم وقت خاتمہ ہم حسن ختام عنایت فرمایند غنیمت ورنہ دوزخ مقرمہین
است کل امرئ بما کسب رھین"

اِس حسن خاتمہ کی شہادت (جس کی تحریر میں آرزو کی گئی ہے) مولانا حکیم سیّد عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ
کی زبان سے سُنیے جو انتقال کے وقت موجود تھے :

"۴ رمضان المبارک کو تپ لرزہ کے ساتھ لاحق ہُوئی اور عادت کے مطابق سہال
شدّت سے شروع ہوگئے، دُوسرا روز یوم الراحۃ تھا، تیسرے روز پھر لرزہ کے ساتھ باری
آئی اور اس قدر اسہال و استفراغ ہُوا کہ ضعف و ناطاقتی سے بیہوش ہوگئے، تمام رات
غافل رہے اور یوم الراحۃ کو بھی نقل وحرکت کی طاقت نہ رہی، اسی طرح روز بروز
ضعف غالب آتا گیا، ساتویں روز یوم الراحۃ کو تمام دن ہوشیار و بیدار رہے اور
اپنے ہاتھ سے لوگوں کو تپ لرزہ کی گولیاں جو آپ کے معمولات میں سے تھیں اپنے قلمدان
سے نکال کر دیتے رہے اور سہری کی لکڑی جس پر کچھ کچھ لکھ کر رکھ چھوڑا تھا بازو پر باندھنے
کے لیے دیتے رہے، شام کے وقت اسہال شروع ہوگئے، ہر مرتبہ طاقت جواب دیتی
جارہی تھی، یہاں تک کہ مغرب کے بعد نبض بھی ساقط ہوگئی اور سوائے سانس کے زندگی
کی کوئی علامت باقی نہیں رہی، دس بجے شب کو یک بیک جُنبش پیدا ہُوئی اور از خود
دائیں طرف جُھک گئے اور قلب جاری ہوگیا اور اس میں اس قدر شدّت وحدّت پیدا ہُوئی
کہ سو قدم کے فاصلہ سے لفظ مبارک " اللہ " سُنا جاسکتا تھا، قلب مبارک میں اتنی جُنبش

تھی کہ گویا ایک ایک بالشت اُچھلتا ہے، یہ حال ایک بجے رات تک رہا، پھر اضمحلال پیدا ہوگیا، اس وقت اس فقیر نے بعض حاضر الوقت دوستوں سے کہا کہ سورۂ یٰسین تلاوت کریں، تلاوت کرتے ہی خاموشی اور سکون پیدا ہوگیا۔ دوبار سورۂ یٰسین کی تلاوت ہوئی پھر تلقین شروع کی، آپ نے ذکر لسانی شروع فرمایا، منہ اور زبان کی حرکت دیکھنے سے اور آواز قریب سے سُننے سے معلوم ہوتی تھی، لفظِ مبارک "اللہ" کو کمال تجوید کے ساتھ ادا فرماتے تھے جیسے کہ زندگی میں عادت مبارک تھی، اسی طرح آخر تک ذاکر رہے، دمِ واپسیں کے وقت فکِ سفل بلند ہوگیا اور زبان اسم ذات کے ادا کرنے میں متحرک ہوئی مگر پورے طور پر ادا نہ ہونے پایا تھا کہ جان جان آفریں کے سپرد کی ؎

چیست ازیں خوب تر در ہمہ آفاق کار

دوست رسد نزدِ دوست یار بنزدیکِ یار

وہ رات ہم لوگوں کے لیے شب قدر تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ملائکہ رحمت نے ہر طرف سے ہجوم کیا ہے، تنہائی سے کوئی وحشت اور ایسے شفیق باپ کے دُنیا سے اُٹھ جانے سے کوئی صدمہ نہ تھا، قلب میں عجیب کشائش تھی اور بے ساختہ زبان پر الحمد للہ جاری تھا، احباب تسبیح و تہلیل میں مشغول تھے اور نماز تہجد ادا کر رہے تھے اور ایسی کیفیت محسوس کر رہے تھے جو بیان میں نہیں آسکتی، میں نے اس طرح کی کیفیات اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھیں۔

یہ واقعہ ۱۰ ار رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ کا ہے، اس وقت والد ماجد کی عمر اکہتر سال کی تھی۔ (ماخوذ از تحریر فارسی مولانا حکیم سید عبدالحیؒ)

○

ختم شد

حضرت سیّد احمد شہیدؒ اور اُن کی تحریکِ مجاہدین پر بہترین کتابیں

(۱) سیرت سیّد احمد شہیدؒ (حصہ اوّل و دوم) از: مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی

(۲) سیّد احمد شہیدؒ : از غلام رسُول مہر مرحُوم

(۳) جماعتِ مُجاہدین : " "

(۴) سرگزشتِ مُجاہدین : " "

(۵) صراطِ مُستقیم : (ملفوظات و افادات حضرۃ سیّد احمد شہیدؒ) مرتبہ: شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

(۶) عُلماءِ ہند کا شاندار ماضی : از، مولانا سیّد مُحمّد میاں صاحبؒ

(۷) سیّد احمد شہیدؒ، ہز لائف اینڈ مشن (انگریزی) از، محی الدین احمد

(۸) تحقیق و انصاف کی عدالت میں (ایک مظلوم مُصلح کا مقدمہ) — از، مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی

(۹) مکاتیب سیّد احمد شہیدؒ (ایک خطی نسخے کا عکسی اڈیشن) — ترتیب: سیّد نفیس الحسینی

(۱۰) رسالۂ اشغال : از، حضرۃ سیّد احمد شہیدؒ (اُردو ترجمہ: سیّد نفیس الحسینی)

(۱۱) جب ایمان کی بہار آئی (مختصر سیرۃ سیّد احمد شہیدؒ) از، مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی

(۱۲) کاروانِ ایمان و عزیمت (حضرۃ سیّد احمد شہیدؒ کے خُلفاء و مُریدین کا تذکرہ) — از، مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی

— ملنے کا پتہ —

سیّد احمد شہیدؒ اکیڈیمی

۴/۱۷۷ کریم پارک (رُوبرُو جامعہ مدنیہ) لاہور